فصل اول
پاکستان میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش

مملکت خداداد پاکستان کی بنیاد اس مقصد کے لیے رکھی گئی تھی کی یہاں اسلامی نظام کا بول بالا ہوگا اور مسلمان آزاد فضا میں اسلام کے زرین اصولوں پر عمل پیرا ہوسکیں گے۔ اس بات کا اظہار بانی پاکستان قائداعظم محمد علی نے متعدد مواقع پر واشگاف الفاظ میں کیا تھا جس کے چند نمونے ہم اگلی سطور میں پیش کریں گے۔ مگر بدقسمتی سے قائد کو ایسے کوٹے سکے ہاتھ آئے تھے جس سے قائد کو اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنانے میں کامیابی نہیں ہوئی اور قیام پاکستان کے بعد ان کوٹے سکوں نے ملک کا قبلہ کعبہ کے بجائے واشنگٹن کو بنا دیا۔ یہی وجہ سے کہ قائد کا اس ملک کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کا خواب ہنوز شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور یہاں ہمیشہ سے اسلام پسندوں اور مغرب زدہ گروہوں کے درمیان کش مکش جاری رہی۔

یہ بات مسلم ہے کہ ملک وقوم کا اجتماعی نظام اور ملک کا سیاسی نظریہ اس کی عوام کو بھی متأثر کرتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کے اثرات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ خاندان کا ادارہ بھی دیگر معاشرتی اداروں کی طرح اپنے مجموعی ڈھانچے کے تابع ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامیت اور مغربیت کی اس کش مکش کے دوران خاندان کا ادارہ بھی بری طرح متأثر ہوتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی نئی نسل میں ہمیں وہ اخلاقی خوبیاں نظر نہیں آتیں جو آج سے پچاس سال پہلے ہم اپنے معاشرے کے کسی بھی نوجوان میں محسوس کرسکتے تھے۔ سطورِ ذیل میں ہم اس کش مکش کی تاریخ اور اس کے اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

اسلامی نظام کا قیام: نوشتۂ دیوار

مغربی تہذیب کی بالادستی کے سلسلے میں جو اقدامات کیے جاتے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ مختلف اسلامی معاشروں میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے جو کوششیں کی جاتی ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے خطیر رقم خرچ کی جاتی ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم قیامِ پاکستان کے پس منظر اور اس کی بنیاد بننے والے دوقومی نظریے پر بات کرنا چاہتے ہیں تاکہ موضوع کی خوب وضاحت ہوسکے۔

قیامِ پاکستان کی اساس دوقومی نظریہ

برصغیر پاک و ہند کی عظیم الشان تحریک پاکستان کے نتیجے میں جو ریاست وجود میں آئی اس کا بنیادی نعرہ پاکستان کا مطلب کیا؟...... لاالہ الا اللّٰہ. تھا۔

پاکستان ایک نظریاتی وجود ہے یہ ایک عقیدے اور نظریے کا نام ہے۔ مصور پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ذہنوں میں اس کا ایک واضح لائحہ عمل موجود تھا کہ پاکستان مدینہ منورہ کے بعد اس روئے زمین پر پہلی اسلامی ریاست ہے۔ لہٰذا اس کے خدوخال بھی اس دین کی امتیازی شان لیے ہوئے ہوں۔

قیام پاکستان کی تحریک دراصل نہ صرف مسلمانوں کے لیے الگ خطۂ زمین حاصل کرنے کی تحریک تھی بلکہ اسلامی نظام کو قائم کرنا بھی مقصود تھا۔ اسی لیے ابتداء ہی میں قائداعظمؒ نے وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا تھا:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ محض ٹکڑا زمین حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ چاہتے تھے جہاں اسلام کے اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔''[۱]

قائداعظمؒ اور دوقومی نظریہ

اسلام کی رو سے قومیت کا معیار اشتراک وطن کے بجائے ایمان کا اشتراک ہے۔ قائداعظمؒ نے 8 مارچ 1948ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''پاکستان اس دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا''۔[۲]

یہ اس زمانے کی بات ہے، جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ سوچیے کہ دوقومی نظریہ کے متعلق ان کی نگاہ کتنی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس تقریر کے تقریباً دو ہفتے بعد، انہوں نے (21 مارچ 1944ء) کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میں نہیں سمجھتا کہ کوئی دیانتدار آدمی اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ مسلمان بجائے خویش ہندوؤں سے الگ مستقل قوم ہیں''۔[۳]

انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

''ہم دونوں فرقوں میں صرف مذہب کا فرق نہیں، ہمارا کلچر، ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں''۔[۴]

کانگریسی رہنماؤں کی مخالفت

جداگانہ قومیت کا یہی وہ تصور تھا جس کی مخالفت ہندوؤں کی طرف سے اس شد ومد کے ساتھ ہوئی تھی۔ پنڈت جواہرلال نہرو نے، آل انڈیا نیشنل کنونشن کے خطبہ صدارت (مارچ 1937) میں کہا تھا کہ ''ایسے لوگ ابھی تک زندہ ہیں جو ہندو مسلمان کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں، گویا دو ملکوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال

۱۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کا اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب، ۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء

۲۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب، ۸ مارچ ۱۹۴۴ء

۳۔ پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب، ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء

۴۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ایڈورڈ کالج پشاور کی تقریر ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء

کی گنجایش نہیں''۔۵

انہوں نے اپنی سوانح عمری میں لکھا تھا:

''مسلم قومیت کا تخیل صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے۔ اگر اخبارات کی اس قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے۔''

جب قائداعظم نے اس تصور قومیت پر بار بار زور دیا تو مسٹر گاندھی نے انہیں 15 ستمبر 1944ء کو ایک خط میں لکھا:

''میں تاریخ میں اس کی مثال نہیں پاتا کہ کچھ لوگ جنہوں نے اپنے آبادؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب قبول کرلیا ہو، وہ اور ان کی اولاد یہ دعویٰ کریں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد سے الگ قوم بن گئے ہیں۔ اگر ہندوستان اسلام کی آمد سے پہلے ایک قوم تھا تو اسلام کے بعد بھی اسے ایک قوم ہی رہنا چاہیے خواہ اس کے سپوتوں میں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا ہو۔''۶

مسٹر گاندھی کا یہ خط قائداعظمؒ کے اس خط کے جواب میں تھا جس میں انہوں نے مسٹر گاندھی کو لکھا تھا:

''اس باب میں مجھے نہ کسی قسم کا دھوکا ہے، نہ شک وشبہہ کہ نہ ہندوستان میں ایک قوم بستی ہے اور نہ ہی یہ ملک ایک ہے۔ یہ برصغیر اقوام کا مجموعہ ہے، جن میں ہندو اور مسلمان دو بڑی بڑی قومیں ہیں۔ آج آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے، لیکن آپ سے جب یہ سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے اور وہ کون سی قوت محرکہ ہے جو ہمیں آمادہ بہ عمل کرتی ہے؟ کیا وہ مذہب ہے یا سیاست، یا عمرانی اصلاح ہے؟ تو آپ نے کہا تھا کہ وہ خاص مذہبی جذبہ ہے ..... لہٰذا مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے نہیں ہیں۔ آج انسانی سعی وکاوش کا دائرہ ایک ناقابل تقسیم وحدت بن چکا ہے۔ آپ تمدنی، معاشی، سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے، جس مذہب کو نوع انسانی کے معاملات سے واسطہ نہیں، میں اسے مذہب ہی تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب انسان کے ہر معاملے کے لیے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ انسانی زندگی نہیں محض غوغا آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے جس میں شور وشغب تو بہت ہوتا ہے لیکن مقصد کچھ نہیں ہوتا''۔۷

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 1940ء تحریک پاکستان کی تاریخ میں نشان منزل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی تھی۔ اس اجلاس کے خطبہ صدارت میں قائداعظمؒ نے فرمایا تھا:

''میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں 'مذہب' نہیں، بلکہ ایک دوسرے

۵۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا آل انڈیا نیشنل کنونشن کا خطبہ صدارت، مارچ ۱۹۳۷ء

۶۔ گاندھی کی طرف سے قائداعظم کو خط، ۱۵ ستمبر ۱۹۴۴ء ۷۔ جناح کا خط بنام گاندھی، جنوری ۱۹۴۰ء

سے مختلف معاشرتی نظام ہیں، اور اس بناء پر متحدہ قومیت کا تخیل ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھیے ہندو اور مسلمان مذہب کے ہر معاملہ میں دو جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی بنیادیں متضاد تصورات ہیں۔ دو ایسی قوموں کو ایک نظام مملکت میں یکجا کر دینا باہمی منافقت کو بڑھادے گا، اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کردے گا جو اس ملک کی حکومت کے لیے وضع کیا گیا ہو۔''[۸]

اس کے ایک سال بعد، انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس مدراس کے خطبہ صدارت میں اپنے اس دعویٰ کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں، انہیں کسی دوسری قوم میں جذب کرنے یا ان کے نظریات اور ملی تشخص کو مٹانے کے لیے جو کوشش بھی کی جائے گی اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا۔ ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنے جداگانہ قومی تشخص اور جداگانہ حکومت کو قائم کرکے رہیں گے۔''[۹]

ہندوؤں کا اعتراف:

قائداعظمؒ نے اس دعویٰ کو شد و مد سے دہرایا کہ ان کے مخالفین تک کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ایک ممتاز رکن مسٹر این سی دت، نے اپنے ابنائے قوم کے نام ایک کھلی چٹھی میں جو اخبار میں شائع ہوئی تھی لکھا تھا:

''ان حالات میں، میرا خیال ہے کہ ہندو مسلم قضیہ کا حل یہی ہوگا کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کو دو قومیں سمجھ لیا جائے اور پھر دو قوموں کی حیثیت سے ان کے متعلق ایک متحدہ قومیت کا خیال ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دیا جائے۔ مسٹر جناح نے حال ہی میں گاندھی جی کو جواب دیتے ہوئے متحدہ قومیت کے تصور کو سراب کے لفظ سے تعبیر کرکے اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ یہ میرے خیال میں اب نہیں تو کل حقیقت ہو کر رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں پاکستان کے خیال سے ڈرنا نہیں چاہیے البتہ اس میں مناسب ترمیم و اصلاح کرکے اسے اپنے حسب حال بنانے کی کوشش کرنی چاہیے''۔[۱۰]

دوقومی نظریے کے بارے میں قوم کی دورُخی

اور اس حقیقت کو بالآخر ہندو اور انگریز دونوں کو تسلیم کرنا پڑا اور دوقومی نظریہ کی بنا پر پاکستان وجود میں آ گیا۔ اس موضوع پر قائداعظمؒ کی تقاریر اور بیانات سے اور بھی بہت کچھ پیش کیا جاسکتا ہے، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی چنداں ضرورت

۸۔ قائداعظمؒ کا خطبہ صدارت، مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۹۴۰ء

۹۔ قائداعظمؒ کا خطبہ صدارت، مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمقام مدراس ۱۹۴۰ء

۱۰۔ این سی دت، اخبار مدینہ بجنور، یکم فروری ۱۹۴۰ء

نہیں۔ انہی اقتباسات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ دوقومی نظریہ کے متعلق ان کے خیالات اس قدر صاف اور واضح تھے کہ اس باب میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں رہتی۔ لیکن ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ تشکیل پاکستان کے بعد، اس مملکت کی اس اصل بنیاد کو اس طرح نظر انداز کیا گیا ہے کہ گویا یہ ریلوے کا ٹکٹ تھا، جسے سفر کے خاتمہ پر ٹکٹ کلکٹر کے حوالے کردیا گیا ہو کہ جس مقصد کے لیے وہ ٹکٹ خریدا گیا تھا، وہ حاصل ہوگیا اور اس کے بعد اس کی کوئی حیثیت اور ضرورت باقی نہیں رہی۔

پھر اس باب میں بھی، قوم کی دورخی بڑی تعجب انگیز ہے۔ جب یہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے دو بازوؤں کا ذکر کرتے ہیں تو بڑے زور وشور سے کہتے ہیں کہ دیکھیے !اس قدر بعد مسافت کے باوجود اسلام ہی وہ رشتہ ہے جس نے ان علاقوں کے مسلمانوں کو ایک قوم کے رشتے میں منسلک کررکھا ہے۔ اگر مذہب کا رشتہ درمیان میں نہ رہے تو ان میں کوئی وجہ جامعیت باقی نہیں رہتی۔ ایک طرف یہ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف، پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ملا کر ایک قوم بھی قرار دیا جاتا ہے اور ستم بلائے ستم کہ اس باب میں سہارا لیا جاتا ہے خود قائداعظم ہی کی ایک تقریر کا جو انہوں نے پاکستان کی پہلی مجلس آئین ساز سے خطاب کرتے ہوئے 11 اگست 1947ء کو ارشاد فرمائی تھی۔ آیئے ہم ذرا اس تقریر کا بھی جائزہ لیتے چلیں۔ انہوں نے مملکت پاکستان کے باشندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''تم آزاد ہو، تمہیں اس امر کی کامل آزادی ہے کہ تم اپنے مندروں میں جاؤ یا مسجدوں میں، یا مملکت پاکستان میں کسی اور پرستش گاہ میں۔ تمہاری ذات یا مشرب کچھ بھی ہو، امور مملکت کو اس سے کچھ واسطہ نہیں ہوگا .....میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے سامنے یہ نصب العین رکھنا چاہیے کہ ایک وقت کے بعد، نہ ہندو، ہندو رہے گا، نہ مسلمان، مسلمان ..... مذہبی نقطہ نگاہ سے نہیں کیونکہ وہ تو ہر فرد کے ذاتی عقیدہ کا سوال ہے .....ایسا، پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے، سیاسی نقطۂ نگاہ سے ہوگا۔''[۱۱]

11 اگست کی تقریر، اپنے حقیقی تناظر میں

قائداعظمؒ کے ان الفاظ کو وحی خداوندی کی طرح پیش کرکے کہا جاتا ہے کہ دیکھیے اسلام میں قومیت کا معیار ایمان کا اشتراک نہیں بلکہ وطن کا اشتراک ہے۔ اس لیے دوقومی نظریہ کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ یعنی قائداعظم کو سند قرار دے کر، ان دونوں ستونوں کو گرادیا جاتا ہے، جن پر مملکت پاکستان کی عمارت استوار ہوئی ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اس سے کیا صورت حال سامنے آتی ہے۔

1۔ اگر مندرجہ بالا الفاظ کسی ایسے شخص کی زبان سے نکلیں جس نے نظریہ قومیت کے متعلق اس سے پہلے کچھ نہ کہا ہو (یا وہ متحدہ قومیت کا قائل رہا ہو) تو ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ کہنے والے کا مسلک یہ ہے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں اور قومیت کا معیار مذہب نہیں، وطن ہے۔ لیکن جب اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے نکلے ہیں جو اس برس تک انہی دو بنیادوں پر تمام دنیا کے خلاف نبرد آزما رہا تھا، تو ان سے اس قسم کے نتائج مستنبط کرنے کے لیے جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے، ذرا تامل برتنا چاہیے۔

۱۱۔ قائداعظمؒ کی تقریر، پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب ۱۱، اگست ۱۹۴۷ء

2۔ ہم نے بعض لوگوں کو یہاں تک کہتے سنا ہے کہ بے شک قائداعظمؒ دس برس تک یہ دعویٰ کرتے رہے، لیکن یہ درحقیقت ایک وکیلانہ حربہ تھا جسے انہوں نے اپنے مقدمہ جیتنے کے لیے اختیار کیا تھا، جب کیس کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگیا تو اس حربہ کی ضرورت نہ رہی۔[۱۲]

ایسا کہنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ کچھ ہم کس شخص کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ ہم بر بنائے عقیدت نہیں کہتے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص قائداعظمؒ کے کریکٹر کے متعلق کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، وہ ان کے خلاف اس قسم کا الزام عائد کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرے گا۔ حق گوئی و بے باکی، ان کے کردار کی ایسی خصوصیت تھی، جس کا اعتراف ان کے دشمنوں تک کو تھا۔ لندن ٹائمز ان کے دوستوں نہیں، بہرحال دشمن قوم کا ترجمان تھا۔ اس نے قائداعظمؒ کی وفات پر پر لکھا تھا:

''قائداعظمؒ نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصا ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت، واضح اور شفاف ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔[۱۳]

لہٰذا یہ کہنا کہ قائداعظمؒ دس سال تک ایسے نظریات کو (بطور حیلہ سازی) پیش کرتے رہے جن پر انہیں ایمان نہیں تھا حقیقت کو جھٹلاتا ہے۔ ان کا کردار اس سے بہت بلند تھا جس شخص نے اپنے عمر بھر کے نیشنلزم کے عقیدہ کو جھٹک کر الگ کر دیا اور اس میں نہ مداہنت کو بار پانے دیا نہ کسی مصلحت کو، وہ اس قسم کی منافقانہ روش کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔

3۔ ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ قائداعظمؒ نے جب مجلس آئین سے خطاب کیا تھا تو ملک کے حالات کیا تھے؟ قائداعظمؒ کی اس تقریر کا مقصد غیر مسلم اقلیتوں کو یقین دلانا تھا کہ ان سے رواداری اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ ہماری اپنی تعبیر نہیں، اس کی تشریح خود قائداعظمؒ نے تین ہی دن بعد اپنی دوسری تقریر میں کر دی۔ مذکورہ بالا تقریر 11 اگست کو کی گئی تھی اور 14 اگست کو انہوں نے پاکستان کی مجلس آئین ساز کا افتتاح کرتے ہوئے اپنے خطاب میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کر دی:

''شہنشاہ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جس مذہبی روا داری اور حسن سلوک کا ثبوت دیا، وہ ہمارے ہاں کوئی بعد کا وضع کردہ مسلک نہیں تھا۔ وہ مسلک ہمارے ہاں تیرہ سو سال پہلے سے چلا آ رہا تھا، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح حاصل کر لینے کے بعد ان سے لفظاً ہی نہیں بلکہ عملاً انتہائی رواداری برتی اور ان کے مذہب اور عقائد کو عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا۔ مسلمانوں کی تمام تاریخ اس کی شاہد ہے کہ انہوں نے جہاں جہاں بھی حکومت کی (غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کے) انہی عظیم انسانیت ساز اصولوں پر عمل کیا اور انہی پر ہمیں بھی عمل کرنا چاہیے۔''[۱۴]

۱۲۔ غلام احمد پرویز: قائداعظم اور دوقومی نظریہ، نوائے وقت ۱۱/اگست ۲۰۰۹ء

۱۳۔ غلام احمد پرویز: قائداعظمؒ اور دوقومی نظریہ، نوائے وقت ۱۱/اگست ۲۰۰۹ء

۱۴۔ غلام احمد پرویز: قائداعظمؒ اور دوقومی نظریہ، نوائے وقت ۱۱/اگست ۲۰۰۹ء

آپ نے غور فرمایا کہ قائداعظمؒ نے خود ہی واضح کردیا کہ غیر مسلم اقلیتوں کی یہاں پوزیشن کیا ہوگی۔ اس کے بعد قائداعظمؒ قریب ایک سال تک زندہ رہے اور اس دوران میں انہوں نے بہت سے مواقع پر تقاریر کیں اور بیانات دیے ۔ جہاں جہاں بھی موقع ملا، انہوں نے غیر مسلموں کو ہمیشہ اقلیت کہہ کر پکارا اور انہیں یقین دلایا کہ ان سے رواداری کا برتاؤ کیا جائے گا۔ مثلاً انہوں نے 11 اکتوبر 1947ء کو خالق دینا ہال کراچی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک اور سوال جو میرے دل میں بار بار ابھرتا ہے اقلیتوں کا مسئلہ ہے۔ میں نے خلوت اور جلوت میں بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ ہمیں اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک کا ثبوت دینا چاہیے۔ تقسیم ہند کے وقت،اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ لہٰذا جب تک اقلیتیں مملکت کی وفادار رہیں گی انہیں یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوگا''۔ ۱۵

پھر انہوں نے 30 اکتوبر کو یونیورسٹی سٹیڈیم لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں اور اقلیتوں کی پوری طرح حفاظت کرے خواہ ان کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے اس کے باوجود ہمیں یہاں کی اقلیتوں کا پورا پورا تحفظ کرنا چاہیے اور ان کے دل میں اس حفاظت کی طرف سے کامل اعتماد پیدا کرنا چاہیے۔ ہمارا یہی رویہ ہمارے لیے باعث عزت اور وجہ افتخار ہونا چاہیے''۔ ۱۶

3 فروری 1948ء کو سندھ کے پارسیوں نے قائداعظمؒ کی خدمت میں استقبالیہ پیش کیا تو اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ'' حکومت اس امر کا خاص اہتمام کررہی ہے کہ اقلیتوں کے دل سے خوف اور بد اعتمادی کے تمام شبہات کا ازالہ کردے۔'' ۱۷

انہوں نے 19 فروری 1948ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا:

''اسلام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ رواداری کا ثبوت دیں۔ جو لوگ بھی یہاں پر برضا و رغبت ہم سے تعاون کریں گے،ہم ان کے اس تعاون کا گرمجوشی سے استقبال کریں گے''۔ ۱۸

13 جون 1948ء کو کوئٹہ کے پارسیوں کے ایک وفد نے قائداعظمؒ کی خدمت میں استقبالیہ پیش کیا تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ'' آپ کو معلوم ہے کہ میری اور میری حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ پاکستان میں بلاتمیز مذہب و ملت اور بلا لحاظ رنگ و نسل ہر شخص کی جان، مال اور عزت کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔ اقلیتوں کو اس باب میں بالکل مطمئن رہنا چاہیے۔'' ۱۹

۱۵۔ قائداعظمؒ کا خطاب: خالقدینا ہال، ۱۱اکتوبر ۱۹۴۷ء

۱۶۔ قائداعظم کی تقریر: یونیورسٹی سٹیڈیم، لاہور، ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء

۱۷۔ قائداعظم کی تقریر: سندھ کے پارسیوں سے خطاب: ۔۳ فروری ۱۹۴۸ء

۱۸۔ آسٹریلیا کے باشندوں کے نام براڈ کاسٹ، ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء

۱۹۔ قائداعظم کا کوئٹہ کے پارسیوں سے خطاب، ۱۳ جون ۱۹۴۸ء

قائداعظم اس سارے عرصے کے دوران پاکستان میں بسنے والے غیر مسلموں کو اقلیت کہہ کر پکارتے رہے اور انہیں ان کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا یقین دلاتے رہے۔ انہوں نے کہیں ایک بار بھی یہ نہیں کہ یہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں مل کر ایک قوم بن چکے ہیں، اس لیے اب ان میں کسی قسم کی تفریق وتمیز باقی نہیں رہی۔ اس کے برعکس وہ اس حقیقت کا اعادہ کرتے رہے کہ مسلمان اپنے مخصوص نظریۂ زندگی کی بنا پر ایک الگ قوم بنتے ہیں۔ انہوں نے 19 فروری 1948ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام اپنے اس براڈ کاسٹ میں جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے کہا کہ: الگ قومیت یہاں کی آبادی کی اکثریت پر مشتمل ہے۔ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے پیرو ہیں۔ ہم اس اسلامی برادری کے افراد ہیں جس میں حقوق، شرف واحترام اور تکریم ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہوتے ہیں، بنابریں ہم میں وحدت اور اخوت کا بڑا گہرا اور خاص جذبہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے اور اپنی رسوم و روایات۔ ہم اپنے نظریات زندگی نقطۂ نگاہ اور احساسِ دروں کے مالک ہیں جو قومیت کی تشکیل کا مدار بنتا ہے۔

انہوں نے 14 اگست 1948ء کو مملکت پاکستان کی پہلی سالگرہ کے موقع پر اپنے اس پیغام میں جواُن کی زندگی کا آخری پیغام تھا، پاکستان کو 'دنیا کی سب سے بڑی مسلم سٹیٹ' کہہ کر پکارا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا بلکہ انہوں نے اسے ہر موقع پر مسلم سٹیٹ ہی قرار دیا تھا۔ ہم دنیا بھر کے ماہرین سیاست سے پوچھتے ہیں کہ جو مملکت محض وطنیت کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہو اسے کبھی بھی، مسلم سٹیٹ، ہندو سٹیٹ یا عیسائی سٹیٹ کہا جاسکتا ہے؟ یاد رہے کہ وطنیت کی بنیادوں پر مختلف آئیڈیالوجی رکھنے والوں کے امتزاج سے جو قوم متشکل ہوئی ہو، اس کی مملکت ہمیشہ سیکولر ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری ایام میں متحدہ قومیت کے مؤید (مولانا) حسین احمد مدنی مرحوم نے کہا تھا کہ ''قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں۔'' اس سے حضرت علامہؒ کے ساتھ ان کی بحث چل نکلی۔ اس بحث کے دوران علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

> ''اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں، تو میں مسلمان کو انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہوگا اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پرواہی۔ لہٰذا، قائداعظمؒ کا مملکت پاکستان کو مسلم سٹیٹ کہنا، خود اس امر کی شہادت ہے کہ وہ متحدہ قومیت کے قائل نہیں تھے''۔[۲۰]

مسٹر 'جوشوا' فضل دین کا اعتراف

مسٹر جوشوا فضل الدین ایک مشہور مسیحی لیڈر ہیں۔ جب صدر ایوب نے لا کمیشن کا تقرر کیا تو مسٹر 'جوشوا' نے اس سوال پر بحث کی تھی کہ مجوزہ آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا: Rationale of Pakistan Constitution (یہ پمفلٹ ہمارے سامنے ہے) اس میں انہوں نے پہلے یہ واضح کیا تھا کہ 1940ء کی قرارداد پاکستان کی رو سے مملکت پاکستان کے دو بنیادی ستون تھے یعنی:

(1) مملکت پاکستان کی بنیاد مذہب پر ہوگی، یہی وہ قدر مشترک ہے جو مشرقی اور مغربی بازوؤں میں وحدت پیدا کرنے

۲۰۔ غلام احمد پرویز: قائداعظمؒ اور دوقومی نظریہ، نوائے وقت ۱۱ اگست ۲۰۰۹ء

کا موجب بن سکتی ہے۔

(2) انہوں نے کہا تھا کہ مجوزہ آئین کو یہ دونوں شرائط پوری کرنی چاہئیں۔ اس کے بعد انہوں نے قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء (اور اس کے ساتھ 14 اگست 1947ء کی تقریر) کے اقتباسات دے کر یہ کہا تھا کہ ان کی تعبیر میں انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قائد اعظمؒ کا مقصد یہ تھا کہ یہاں نہ ہندو، ہندو رہے، نہ مسلمان مسلمان بلکہ دونوں کے امتزاج سے ایک متحدہ قوم متشکل ہو جس کا لازمی نتیجہ سیکولر انداز حکومت ہو جائے وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ مسٹر جوشوا نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا: یہ کہنا کہ تخلیق پاکستان کے بعد قائد اعظمؒ نے .....جو خود اس پاکستان کا خالق تھا..... اپنی پہلی ہی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہے، جس سے اس بات کا دور کا بھی امکان ہے کہ اس سے پاکستان کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی، بالکل پاگل پن ہے۔ قائد اعظمؒ نے اتنا ہی کہا تھا کہ پاکستان میں بلالحاظ مذہب وملت، ہر ایک کو مساوی حقوق شہریت حاصل ہوں گے۔ اس کے بعد انہوں نے بڑی پتے کی بات کہی تھی اور وہ یہ کہ چونکہ پاکستان کو لامحالہ ایک مذہبی مملکت بننا ہے اس لیے اس امر کا فیصلہ کہ غیر مسلم اقلیتوں کو کس قسم کے حقوق اور تحفظات حاصل ہوں گے، اسلامی فقہ کی رو سے ہی ہو سکے گا اور اس کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں امید ہے کہ اس ضمن میں اسلامی فقہ کی تعبیر مذہبی تعصب اور جنون کی رو سے نہیں کی جائے گی، عقل وفکر کی رو سے کی جائے گی۔

حیرت ہے کہ قائد اعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کا صحیح مفہوم غیر مسلموں نے سمجھ لیا لیکن یہ بات سمجھ میں نہ آئی تو ان مسلمانوں کی جو ہندوستان میں بھی متحدہ قومیت کے علمبردار تھے، اور اب چپکے ہی چپکے یہاں بھی ان جراثیم کو پھیلا رہے ہیں۔ ہم علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ایک بار پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ اگر پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ایک قوم کے افراد تسلیم کر لیا گیا تو یہ مملکت اسلامی نہیں کہلا سکے گی خواہ اس کے ساتھ 'اسلامک' کا لفظ ہزار بار بھی چسپاں کیوں نہ کر دیا جائے۔ اسلامی مملکت صرف اس قوم کے ہاتھوں وجود پذیر ہو سکتی ہے جو اسلامک آئیڈیالوجی (یعنی قرآن) پر ایمان رکھے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف کچھ کہتا ہے تو اس کی بات اسلام کے بنیادی تصور مملکت کے خلاف ہے، خواہ ایسی بات کہنے والا کتنی ہی بڑی شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو۔[۲۱]

قائد اعظم کی اس جیسی لاتعداد تقریروں اور پاکستان کا مطلب کیا **لا الہ الا اللہ** کے نعرے نے آسام، بنگال، یوپی اور دہلی کے ان تمام مسلمانوں کو بھی تحریک پاکستان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے پر آمادہ کیا جن کو یقین تھا کہ انہوں نے اس مملکت میں شامل نہیں ہونا۔ پاکستان کے نام سے جو ملک وجود میں آیا ہے وہ اس عقیدے اور نظریے کے طفیل بنا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم ایک الگ قوم ہیں ہماری تہذیب وتمدن،، ہمارا رہن سہن، ہمارا نظام زندگی، ہمارے رسوم و رواج، اور ہماری ثقافت ایک دین ایک عقیدے اور ایک نظریۂ حیات کے تابع ہیں اور اسی لیے اس ریاست کی ابتدا ہی سے اس کی دستور ساز اسمبلی نے اس خواب کو پورا کرنے کے لیے عملی اقدامات شروع کیے جو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے

۲۱۔ غلام احمد پرویز: قائد اعظمؒ اور دوقومی نظریہ، نوائے وقت ۱۱/اگست ۲۰۰۹ء

پاکستان کی صورت میں دیکھے تھے۔

اسلامی نظام کی جدوجہد کے اہم سنگ میل

سطورِ بالا میں یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام وہ خواب ہے جو تا حال شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، مگر اسلامی نظام کے علمبرداروں کو بجاطور پر یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ خواب حقیقت کا روپ دھارنے والا ہے اور عنقریب اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک جو پیش رفت ہوئی ہے اس کے چند اہم سنگ میل حسب ذیل ہیں۔

قرارداد مقاصد:

مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی بنیاد قرار داد مقاصد ہے جسے دستور ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔

- ☆ چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔
- ☆ چونکہ پاکستان کے جمہور کی منشاء ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں مملکت اپنے اختیار و اقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔
- ☆ جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔
- ☆ جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق، جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں۔
- ☆ جس میں وہ علاقے جو اس وقت پاکستان میں شامل یا ضم ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو بعد ازیں پاکستان میں شامل یا ضم ہوں ایک وفاق بنائیں گے جس میں وحدتیں اپنے اختیار و اقتدار پر ایسی حدود اور پابندیوں کے ساتھ جو مقرر کردی جائیں، خودمختار ہوں گی، جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے تابع حیثیت اور مواقع میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی انصاف اور اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل ہوگی۔
- ☆ جس میں اقلیتوں اور پسماندہ اور پست طبقوں کے جائز مفادات کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔
- ☆ جس میں عدلیہ کی آزادی پوری طرح محفوظ ہوگی۔
- ☆ جس میں وفاق کے علاقوں کی سالمیت، اس کی آزادی اور زمین، سمندر اور فضا پر اس کے حقوق مقتدر کے بشمول اس کے جملہ حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔
- ☆ تاکہ اہل پاکستان فلاح و بہبود حاصل کرسکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کرسکیں اور

بین الاقوامی امن اور بنی نوع انسان کی ترقی اور خوش حالی میں اپنا پورا حصہ ادا کرسکیں لہٰذا، اب ہم جمہور پاکستان:

☆ قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ پاکستان کی خاطر عوام کی دی ہوئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ۔

☆ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے ساتھ کہ پاکستان عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی۔

☆ اس جمہوریت کے تحفظ کے لیے وقف ہونے کے جذبے کے ساتھ جو ظلم وستم کے خلاف عوام کی انتھک جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔

☆ اس عزم بالجزم کے ساتھ کہ ایک نئے نظام کے ذریعے مساوات پر مبنی معاشرہ تخلیق کرکے قومی اور سیاسی وحدت اور یک جہتی کا تحفظ کریں۔[۲۲]

☆ آئین کے آرٹیکل 2 کے مطابق اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا اور آرٹیکل 2۔الف کے مطابق قرار داد مقاصد میں بیان کردہ اصول واحکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور بحسبہ موثر ہوں گے۔[۲۳]

☆ آرٹیکل 227 کے مطابق تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔ جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔[۲۴]

☆ آئین کے آرٹیکل 228 کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کی گئی۔[۲۵]

☆ اور آرٹیکل 230 کے مطابق وہ ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرسکیں جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی و اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے اسلام کے ان اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب و امداد ملے جن کا قرآن پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے۔[۲۶]

☆ آئین کے آرٹیکل ''203 الف سے لے کر 203 ی'' تک وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔[۲۷]

☆ ضیاء الحق کے زمانے میں نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ کو قائم کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔

☆ چونکہ ہمارے حکمران نفاذ اسلام کی کوششوں کے ساتھ کبھی بھی مخلص نہیں رہے لہٰذا ہر حکمران نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے نام کو استعمال کیا اور جیسے ہی ایک حکمران جاتا تو دوسرا حکمران ان ساری کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ جو پاکستان کے عوام دین کو بطور نظام نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ انہیں دیوار سے لگا دیا جاتا ہے اور اسلام کو بطور نظام زندگی نافذ کرنے کی کوششیں چاہے وہ قرار داد مقاصد ہو یا وفاقی شرعی عدالت

۲۲۔ قرار داد مقاصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی تمہید، ۹ مارچ ۱۹۴۹، ص ۱،۲

۲۳۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور کا آرٹیکل ۲ اور ۲ الف ۲۴۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور کا آرٹیکل ۲۲۷

۲۵۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور کا آرٹیکل ۲۲۸ ۲۶۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور کا آرٹیکل ۲۳۰

۲۷۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور کا آرٹیکل ۲۰۳ الف تا ۲۰۳ یا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی متعلقہ دفعات ملاحظہ فرمائیں۔

کا قیام ہو،نظام صلوٰۃ ہوں یا حدود قوانین ہوں، قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا ہو، توہین رسالت کا قانون یا نظام تعلیم ہو، ان سب کو ہدف بنا کر اس جدوجہد کا قلع قمع کی کوششیں کی گئیں۔

9مارچ 1949ء پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد قانونی اور دستوری دستاویز کے طور پر منظور کی۔

جنوری	تمام مکاتب فکر کے جید علما نے متفقہ اسلامی دستور کی بنیاد فراہم کرنے کے لیے 22 نکات منظور کیے۔
1951ء	قحبہ گری کو ممنوع قرار دینے کا اقدام۔
1962ء	اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام، قادیانیوں کو غیر مسلم قرار۔عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ۔
1973ء	اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ لاہور۔
1974ء	شراب،گھڑ دوڑ، جوا اور نائٹ کلب پر پابندی
1977ء	وفاقی شرعی عدالت کا قیام،حدود کا نفاذ۔ جمعہ کی تعطیل کا اعلان،ناموس رسالتؐ کی حفاظت کے لیے
1979ء	توہین رسالتؐ پر قانون سازی۔

دستور کی اسلامی دفعات،عورت اور خاندان کا تحفظ

1)۔ قرار داد مقاصد

2)۔ آرٹیکل 2:اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا۔

3)۔ آرٹیکل الف2:قرار داد مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اوروہ بحسبہ موثر ہوں گے۔

4)۔ آرٹیکل 51(الف):صوبہ وار مخصوص نشستیں+عام نشستیں خواتین کے لیے 60 نشستیں (قومی اسمبلی)

5)۔ آرٹیکل 51(4ب):صوبہ وار مخصوص نشستیں خواتین کا واحد حلقہ انتخاب ہوں گی۔

☆۔ آرٹیکل 59(ج)+(د):سینٹ میں ہر صوبے سے 4اور وفاق سے 1 خاتون منتخب ہوگی۔

6)۔ آرٹیکل 51(4د)سیاسی جماعتوں کی خواتین امیدواروں کی فہرست متناسب نمائندگی کے ذریعے اس میں ضرور ترمیم ہونی چاہیے کہ خواتین کی تعداد جیتی ہوئی نشستوں کے حساب سے نہ ہو بلکہ سیاسی جماعتوں کے حاصل کردہ ووٹوں کے حساب سے منتخب کی جائے۔

7)۔ آرٹیکل 106(1)صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کی تعداد

بلوچستان : 11

سرحد : 22

پنجاب : 66

سندھ : 29

8)۔ آرٹیکل 106(3ب)صوبائی حلقہ انتخاب برائے خواتین۔

9)۔ آرٹیکل 106(3ج)صوبائی اسمبلی کی فہرست سیاسی جماعت کی طرف سے اس میں بھی جیتی ہوئی نشستوں کے حساب کی بجائے حاصل کردہ ووٹوں کے تناسب سے خواتین کو نمائندگی دی جائے۔

10)۔ آرٹیکل 31(1):اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھنے کے متعلق اقدامات۔

11)۔ آرٹیکل 31(2):قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم،عربی زبان کی ترویج،قرآن پاک کی صحیح طباعت واشاعت۔

12)۔ آرٹیکل 32:بلدیاتی اداروں میں عورتوں کی نمائندگی۔

13)۔ آرٹیکل 34:قومی زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مکمل شمولیت کے لیے اقدامات۔

14)۔ آرٹیکل 35:مملکت،شادی،خاندان،ماں اور بچے کی حفاظت کرے گی۔

15)۔ آرٹیکل 203(ج):۔وفاقی شرعی عدالت۔

16)۔ آرٹیکل 227 سے 230:۔اسلامی نظریاتی کونسل۔

17)۔ آرٹیکل 238:۔دستور میں ترامیم کا طریق کار۔

اسلام کی مخالفت اور مغرب کے ملحدانہ پروپیگنڈے کے نفاذ کے لیے مشرف دور میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی آڑ میں اسلامی نفاذ کی جدوجہد کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا گیا۔اس سلسلے میں انھوں نے سود کو سپریم کورٹ کی طرف باقاعدہ اجازت دلوادی گئی۔سود وہ واحد برائی ہے جسے قرآن نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اعلان جنگ قرار دیا ہے مگر افسوس ہے کہ اسلامی نظریاتی مملکت کی عدالت عظمیٰ نے بھی سودی نظام کو جاری رکھنے کے لیے تاویلیں پیش کیں۔

قانونِ تحفظ ناموس رسالت

برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کے عدالتی مقدمات میں فیصلے قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں کیے جاتے تھے۔مغلوں کے زوال کے بعد 1860ء میں انڈین پینل کوڈ نافذ کیا گیا جس کے نفاذ اور تدوین کے لیے گورنر جنرل ہند نے لارڈ میکالے کی سربراہی میں ایک کمیشن تشکیل دیا تھا۔ انگلینڈ میں آج بھی اور 1860ء میں بھی قانون توہین مسیح بطور Common Law موجود تھا۔ اور وہ انگلینڈ کے مجموعہ قوانین میں Blasphemy Act شامل ہے۔ 1898ء میں دفعہ 124-A تعزیرات ہند میں شامل کی گئی جس کے تحت حکومت برطانیہ کے خلاف منافرت پھیلانے یا توہین حکومت کے جرم کی سزا عمر قید مقرر کی گئی۔اسی سال 1898ء میں ہی ایک دفعہ 153-A کا بھی اضافہ کیا گیا جس کا متن حسب ذیل ہے:

> حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے شاتمان کے خلاف مقدمات بھی اسی دفعہ (153-A) کے تحت قائم ہوئے۔جس میں سب سے مشہور مقدمہ 'رنگیلا رسول' کے ناشر راج پال کے خلاف اسی جرم کے ارتکاب پر رجسٹر ہوا۔عدالت سیشن جج سے اسے سزا دی گئی مگر ہائی کورٹ نے اسے سزا نہ دی۔جس کے خلاف مسلمانان ہند میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور ہر پلیٹ فارم سے سخت احتجاج کیا گیا تا آنکہ غازی علم دین شہیدؒ نے راج پال کو موت کے گھاٹ اتار کر اسے توہین رسالتؐ کی سزا دی

اور خود زندہ جاوید ہو گیا۔[۲۸]

جب برٹش گورنمنٹ نے مسلمانوں کے جذبات کو دیکھا کہ اس دفعہ 153-A سے وہ مجروح ہو رہے ہیں تو ان کی اشک شوئی کے لیے 295-A کو قانون فوجداری کے ترمیمی ایکٹ میں 1927ء میں Indian P.C میں شامل کیا گیا۔ وہ دفعہ یہ ہے:

''جو کوئی عملاً اور بدنیتی سے تحریری، تقریری یا اعلانیہ طور پر ہر میجسٹی کی رعایا کی کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین یا توہین کی کوشش کرے، کہ جس سے اس کے مذہبی جذبات مشتعل ہوں تو اسے دو سال تک قید، جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔''[۲۹]

قیام پاکستان کے بعد 23 مارچ 1956ء کو 'ہر میجسٹی کی رعایا' کے الفاظ کو 'پاکستان کے شہریوں' کے الفاظ تبدیل کر دیا گیا۔ 1961ء میں ایک ترمیمی آرڈیننس آیا۔ مگر اس دفعہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

1980ء میں دوسرے ترمیمی آرڈی ننس کے ذریعے 298-A کا اضافہ کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

''جو کوئی تحریری، تقریری، اعلانیہ، اشارتاً یا کنائتاً بالواسطہ یا بلاواسطہ امہات المومنینؓ یا کسی اہل بیتؓ یا خلفاء راشدینؓ میں سے کسی خلیفہ راشدؓ یا اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم کی بے حرمتی کرے، ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے، اسے تین سال تک کی سزا، یا سزائے تازیانہ دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔''[۳۰]

اس دفعہ میں امہات المومنینؓ اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم کی شان میں گستاخی کو تو قابل تعزیر گردانا گیا تھا مگر خود اس مقدس ہستی صلی اللہ علیہ وسلم جن سے نسبت کی وجہ سے ان کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اس کی گستاخی کی کوئی سزا نہ تھی۔ جس پر سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ جناب اسماعیل قریشی کی جانب سے 1984ء میں شریعت کورٹ میں Petition دائر کی گئی۔ ابھی شریعت کورٹ میں فیصلہ نہ ہوا تھا کہ محترمہ آپا نثار فاطمہ ملک کے سینئر علماء اور وکلاء کے توسط سے قومی اسمبلی میں توہین رسالتؐ کے مجرم کے لیے سزائے موت کا بل پیش کیا، جسے فوجداری قانون ترمیمی ایکٹ نمبر 3 سال 1986ء کی صورت میں منظور کر کے تعزیرات پاکستان میں 295-C کی صورت میں نافذ کیا گیا۔ جس کا متن یہ ہے:

''جو کوئی عملاً، زبانی یا تحریری طور پر یا بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ اشارتاً یا کنائتاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے وہ سزائے موت یا سزائے عمر قید کا مستوجب ہوگا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جاسکتی ہے۔''

''توہین رسالتؐ کے متذکرہ بالا بل میں اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا بطور سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن اس میں عمر قید بھی رکھی گئی تھی، جو قرآن وسنت کے منافی ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے 30 اکتوبر 1990ء کو 295-C میں ترمیم کر کے عمر قید کے الفاظ حذف کر دیے اور اب یہ

۲۸۔ محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، کتاب قانون توہین رسالتؐ تلخیص سمیحہ راحیل قاضی

۲۹۔ ایضاً ۳۰۔ ایضاً

فیصلہ پی ایل ڈی میں شائع ہوا ہے''۔[۳۱]

جو قانون توہین رسالتؐ اس وقت پاکستان میں رائج ہے، وہ درحقیقت فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے مورخہ 30 اکتوبر 1990ء کی روشنی میں اور اس اعلیٰ عدالت کی ہدایت کے مطابق ترمیم کرکے نافذ کیا گیا ہے۔

فیڈرل شریعت کورٹ کا یہ فیصلہ عدالت کے پانچ فاضل جج صاحبان جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، نے مختلف مکاتب فکر کے چھ جید علمائے کرام (فقہاء) کی معاونت سے صادر کیا تھا:

1۔ جناب چیف جسٹس گل محمد خاں (سابق جج لاہور ہائی کورٹ)
2۔ جناب جسٹس عبدالکریم خاں کندی (سابق جج پشاور ہائی کورٹ)
3۔ جناب جسٹس عبدالرزاق تھہیم (سابق جج کراچی ہائی کورٹ)
4۔ جناب جسٹس عبادت یارخاں (سابق جج کراچی ہائی کورٹ)
5۔ جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خاں (پی ایچ ڈی اسلامی قانون)

ملک کی اعلیٰ عدالت نے لاہور، کراچی اور اسلام آباد میں متعدد تاریخوں پر اس کی سماعت کی اور معاملے کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لے کر ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام پیغمبروں کی شان میں گستاخی کے کلمات ادا کرنے والے بدقسمت شخص کی سزا، سزائے موت سے کم نہیں ہے اور جو کوئی عملاً زبانی یا تحریری طور پر یا بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ اشارتاً یا کنائتاً حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جائے گی۔ اگر وہی اعمال اور چیزیں دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہیں جائیں وہ بھی اسی سزا کے مستوجب جرم ہوگا۔

قرآن وسنت نے حد اور تعزیری سزاؤں کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں۔ اسلام نے ہی دنیا میں سب سے پہلے نیت، ارادے اور قصد یعنی Intention کو جرم کا بنیادی رکن بنایا ہے۔ دنیا کے کسی اور قانون میں نیت کو جرم کا جزو نہیں سمجھا جاتا۔ مگر اللہ اور اس کے رسولؐ نے ارادہ اور نیت کو جرم اور ہر عمل کی بنیاد بنا کر انسان کو جزا اور سزا کا مستحق قرار دیا جو دنیائے قانون وعدل میں سب سے پہلا انقلابی اقدام ہے۔ **انما الاعمال بالنیات** وہ مشہور حدیث ہے جو تمام حدیث و فقہ کی کتابوں میں پیشانی کے جھومر کی حیثیت سے سب سے پہلے لکھی ہوتی ہے۔[۳۲]

اس دفعہ کو قرآن وسنت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا کہ اگر قصداً گستاخی کی ہو تو سزائے موت کا مستحق ہے۔ مگر بلا ارادہ یا غلطی سے کوئی بات منہ سے نکل جائے تو ایسی صورت میں سزائے موت کی بجائے تعزیر جس میں کوڑوں کی سزا اور جرمانہ شامل ہو، دی جانے چاہیے۔

ناموس رسالتؐ کے خلاف محاذ

تہذیب کے دعوؤں کے ساتھ اب مغرب کے لیے قرون وسطیٰ کی طرح دشنام طرازیاں تو ممکن نہیں، ان کی جگہ

۳۱۔ PLD-FSC-1991 P:10

۳۲۔ دیکھیے: الجامع الصحیح للبخاری، کتاب بدء الوحی، باب ۱، ح ۱، ودیگر کتب حدیث

آج کے رائج الفاظ کے پردہ میں توہین رسالت کے قانون پر حملہ ہو رہا ہے۔ جو انسانی اور بنیادی حقوق کے خلاف ہے، مذہبی آزادی کے خلاف ہے، اظہار رائے کی آزادی کے خلاف ہے، اقلیتوں کے خلاف تعصب اور امتیاز پر مبنی ہے، اقلیتی فرقوں کے سر پر ننگی تلوار لٹکا دی گئی ہے، فرقہ واریت اور ذاتی عناد کی بنا پر غلط استعمال ہو رہا ہے، اس سے ملا کا، بنیاد پرستی کا، مذہبی جنون کا، تنگ نظری کا زور بڑھ گیا ہے، تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔

بنیادی اور اولین سوال یہ ہے کہ کیا توہین رسالت کوئی جرم نہیں ہے، اور جرم ہے بھی تو کیا اس پر کوئی سزا نہیں ہونی چاہیے؟ رسالت تو بڑی چیز ہے، دنیا بھر میں ہمیشہ سے کسی بھی انسان کی عزت وآبرو کو نقصان پہنچانا، تحریراً ہو یا زبانی، ایک جرم قرار دیا گیا ہے، اور ہتک عزت کے جرم کے لیے سزا کا قانون موجود رہا ہے۔ کسی کے وہم وگمان میں کبھی یہ نہیں آیا کہ کسی دوسرے انسان کی بے عزتی کرنا، توہین کرنا، ایک انسان کا انسانی اور بنیادی حق ہوسکتا ہے، اور اس پر سزا دی جائے تو اس حق کی خلاف ورزی ہوگی۔ آج مغرب میں بھی یہی تصور اور یہی قانون ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مغربی قوانین کے تحت جس کی ہتک عزت ہوئی ہو وہ خود ہی مدعی بن سکتا ہے۔ گویا، کیونکہ رسول یا کوئی بھی دنیا سے گزرا ہوا آدمی، اب خود مدعی نہیں بن سکتا اس لیے اس کی جتنی توہین کرلی جائے، یہ جرم قابل سزا نہیں ہوسکتا۔ سلمان رشدی کے معاملے میں مغرب نے مسلمانوں کے خلاف اسی دلیل کا سہارا لیا۔

لیکن اس سے زیادہ بودی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے؟ جب ایک عام آدمی کی ہتک عزت بھی قابل تعزیر جرم ہو تو اس شخص کی ہتک عزت کیوں نہ ہو جو کروڑوں کو اپنی جان و مال ہی نہیں، اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب ہے، جس کی عزت اور نام سے ان کی عزت اور نام وابستہ ہے، جس کی توہین سے ان کی ذات کی، ان کے نام کی، ان کی اپنی عزت کی، ان کے دین کی، ان کے آئین کی، ان کی ملت کی توہین ہوتی ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو ہر مسلمان کے لیے یہی ہے۔ اس کی آبرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہے، ''آبروئے ما زنام مصطفیٰ است''۔ وہ مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی جان، مال، والدین، دنیا کی ہر چیز، یہاں تک کہ اپنے نفس اور ذات سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

آپؐ نے کوئی حکم اپنی ذات کی خاطر نہیں دیا۔ دین اور ملت کے تحفظ کی خاطر دیا۔ جب رسالت ہی ایمان کی، دین کی، ملت کی بنیاد ہے۔ اس کی زندگی کی ضمانت ہے، تو توہین رسالت کے مجرم کو سزا دینا عین رحمت کا تقاضا تھا

مغربی استعمار کے خلاف جنگ، بظاہر آزادی اور قوم پرستی کے نام پر ہو رہی تھی اور حق خود ارادیت اس کا محور تھا، مگر اسلامی دنیا میں اس کی پشت پر جو سب سے قوی محرک تھا وہ اسلام اور اس کا دیا ہوا تصور حیات تھا۔

امت اپنے دل، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور ناموس کے دفاع اور اپنی تہذیب اور اقدار کے تحفظ کے لیے پوری سرفروشی کے ساتھ میدان میں اتر آئی ہے۔ اس میں شرکت، مقابلے کے لیے مناسب تیاری اور صحیح حکمت عملی کے ذریعے امت مسلمہ کی تربیت اولین ضرورت ہے۔

توہین رسالت یا تہذیبوں کا تصادم

اوائل دسمبر 2005ء کی بات ہے۔ قومی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر توہین رسالتؐ سے

متعلق چھپی ہوئی تھی۔عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ایک نوجوان نے مجھے اس جانب توجہ دلائی کہ آپ اس پر اسمبلی میں آواز اٹھائیں میں نے تحریک التواء بنا کر پیش کردی مگر اس معاملے کو اسمبلی فلور پر اٹھانے کی اجازت نہ ملی۔اخبارات بھی کچھ دن خاموش رہے مگر ڈنمارک میں اسلامی تحریک کے کچھ افراد نے اس ایڈیٹر کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا جس کو وہاں کے وزیراعظم نے بڑی رعونت سے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ یہ ملک آزادی اظہار کے کسی بھی طریقے پر کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ کچھ ہی دنوں بعد ناروے کے اخبارات نے یہ توہین کی اور پھر تو اہل یورپ نے یہ سمجھ کر کہ یہ تو ''مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہیں'' کے مصداق یہ سلسلہ شروع کردیا کہ کبھی کسی ملک نے اور کبھی کسی ملک نے یہ توہین آمیز خاکے شائع کیے اور اپنے ٹی وی چینلز پر چلائے۔اس کے دوماہ گزرنے کے بعد جبکہ فلسطین میں حماس نے عظیم الشان فتح حاصل کرلی اور خون شہیداں سے وہاں سحر پھوٹی،مصر میں اخوان المسلمون کی انتخابات میں شاندار پیش رفت اور شرق وغرب میں پیش قدمی کرتی ہوئی اسلامی تحریکیں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی نوید سنا رہی تھیں،کہیں پر بڑے منصوبہ ساز ذہنوں نے مسلمانوں کو جمہوری اور پر امن طریق انتخاب کے ذریعے تبدیلی کی بجائے احتجاجی منصوبہ بندی کی اور اس دفعہ تختہ مشق محبوب دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بنایا کہ اس امت کے خاکستر میں کہیں کوئی چنگاری بھی ہے کہ نہیں۔اس کے ذریعے سے یہ جانچنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمان اس پر بھی بیدار ہوتے ہیں کہ نہیں اور احتجاج میں کتنی شدت ہے کہ عوام ہی کی سطح پر کچھ مظاہرے ہوتے ہیں یا بے حمیت حکمرانوں کے کانوں پر بھی جوں رینگتی ہے۔عشق مصطفیٰؐ سے عاری مسلمان کو زمانے نے پہلے اپنی خودی اور عزت نفس سے محروم کرڈالا اور جب مسلمان بے حمیت بن گئے تو اب اتنی بھی غیرت باقی نہ رہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کا تحفظ کرسکیں۔

یہ 12 شیطانی خاکے اتفاقی طور پر شائع نہیں ہوگئے۔ان کا خاص پس منظر ہے۔(یولاند پوسٹن کے) ثقافتی امور کے ایڈیٹر فلیمنگ روز (lemming Rose) نے باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت اس فکری اور تہذیبی جنگ کا آغاز کیا۔اس اقدام سے ایک سال پہلے وہ امریکا گیا اور وہاں اسلام دشمنی کی مہم چلانے والوں کے سرخیل ڈینیل پائپس سے خصوصی صلاح ومشورہ ہوا۔ڈینیل پائپس پچھلے 40 سال سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف قلمی جنگ کررہا ہے۔دسیوں کتابوں اور سینکڑوں مضامین کا مصنف ہے۔صہیونی تحریک میں اونچا مقام رکھتا ہے اور فلسطینیوں کے بارے میں کھلے عام کہتا ہے کہ ان کو فوجی قوت سے نیست و نابود کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔صدر بش نے اسے ایک ایسے تھنک ٹینک کا مشیر بنایا تھا جس کے مصارف سرکاری خزانے سے برداشت کیے جاتے ہیں۔اس مشاورت کے نتیجے میں فلیمنگ روز نے کارٹون بنانے والے 40 افراد کو دعوت دی اور کہا کہ تم سب موضوعات پر کارٹون بناتے ہو اور شخصیات کا تمسخر اڑاتے ہو لیکن اسلام کو تم نے کبھی تختہ مشق نہیں بنایا۔تو اب اسلام کا چہرہ دکھانے کے لیے اپنے برش حرکت میں لاؤ۔ان 40 میں سے 12 افراد کے کارٹون 30 ستمبر 2005ء کی اشاعت میں The Painting of a Portrait of Islam's Prophet (پیغمبر اسلام کی تصویر کا خاکہ) کے عنوان سے شائع کیے گئے[۳۳] اور اس دعویٰ سے کیے گئے کہ اس طرح مسلمانوں کی 'تنگ نظری' کا علاج ہوسکے گا۔ان خاکوں کو ہر کسی نے ناخوشگوار،اشتعال انگیز اور توہین آمیز قرار دیا۔واشنگٹن پوسٹ نے انہیں a calculated

۳۳۔ خورشید احمد،۔توہین آمیز خاکے،نئی صلیبی جنگ کا زہریلا ہتھیار،اشارات ترجمان القرآن،مارچ ۲۰۰۶

insult (ایک نپی تلی توہین) قرار دیا مگر عالم اسلام کے تمام احتجاج کے باوجود ایڈیٹر، کارٹونسٹ، مغربی میڈیا کی اکثریت اور وہاں کی سیاسی قیادت نے آزادی صحافت، آزادی اظہار رائے اور سیکولر جمہوریت کا سہارا لے کر ان کا دفاع کیا اور اب تک ان کی اشاعت کو غلطی تسلیم کر کے معذرت کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ مصلحت کے تحت جو بات کہی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے تو جو کیا، وہ درست کیا تھا۔ افسوس صرف اس پر ہے کہ اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ (حالانکہ اصل مقصد ہی اسلام، اسلام کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دہشت گرد دکھانا اور انہیں بے ہودہ مذاق کا نشانہ بنانا تھا۔ اب تک فلیمنگ روز کا دعویٰ ہے:

I do not regret having commissioned these cartoons.[۳۴]

مجھے یہ کارٹون بنوانے پر کوئی افسوس نہیں۔

اسی طرح اصل کارٹونسٹ کرٹ ویسٹر گارڈ (Kurt Westergaard) کا بیان لندن کے اخبارات میں 18 فروری 2006ء کو شائع ہوا ہے۔ ہیرالڈ نامی رسالے کے استفسار پر اس نے صاف کہا کہ'' کارٹونوں کا اصل محرک یہ دکھانا ہے کہ اسلام اور اور پیغمبر اسلام [صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ] دہشت گردی کی علامت ہیں''۔

جب پوچھا گیا کہ کیا اسے ان کارٹونوں کی اشاعت پر افسوس ہے؟ اس نے صاف جواب دیا: ''نہیں۔'' اس نے کہا کہ ان خاکوں کے پیچھے ایک جذبہ کارفرما تھا: ''دہشت گردی جسے اسلام سے روحانی اسلحہ فراہم ہوتا ہے''۔[۳۵]

ڈنمارک کے وزیراعظم نے پہلے 11 مسلمان سفرا سے ملنے سے انکار کیا۔ جب 27 مسلمان تنظیموں کے نمائندے 17 ہزار مسلمانوں کے دستخطوں سے ان کے خلاف احتجاج اس کو دینے گئے تو لینے سے انکار کر دیا گیا اور اب سارے عالمی احتجاج کے باوجود ان کا موقف یہ ہے کہ یہ سب ایک جمہوری ملک میں آزادی اظہار کا مسئلہ ہے اور اصرار کے باوجود انہوں نے کھلے طور پر غلطی ماننے سے صاف الفاظ میں مسلمانوں سے معافی مانگنے سے احتراز کیا ہے۔ الاہرام کے ایڈیٹر نے طرح طرح سے سوالات کیے مگر ڈنمارک کے وزیراعظم ٹس سے مس نہ ہوئے اور یہی کہتے رہے کہ: جو کچھ بھی شائع ہوا ہے، اس کے لیے ڈنمارک کے عوام اور حکومت کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔[۳۶]

نہ صرف ڈنمارک کے وزیراعظم اور وزیر خارجہ کا رویہ تکبر اور تعصب سے بھرا ہوا ہے بلکہ مسلمانوں کو طیش دلانے اور ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے لیے ناروے، جرمنی، فرانس، اٹلی، اسپین اور خود امریکا کے چند اخبارات نے ان کارٹونوں کو شائع کیا۔ یورپین یونین کے صدر نے مسلمانوں سے ہمدردی کے اظہار کے ساتھ آزادی صحافت کے نام پر ان شیطانی کارٹونوں کی اشاعت کی مذمت سے انکار کیا بلکہ خود صدر بش اور ٹونی بلیئر نے اپنے خبث باطن کے اظہار کے لیے ڈنمارک کے وزیراعظم کو ٹیلی فون کر کے اپنے تعاون کا یقین دلایا جس نے ڈنمارک کے وزیراعظم کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ Islamic World must realise we are not isolated (اسلامی دنیا کو محسوس کرنا چاہیے کہ ہم تنہا نہیں ہیں)[۳۷]

سارے حالات اور حقائق سے ظاہر ہے کہ یہ محض ڈنمارک کے ایک اخبار کی شرارت نہیں بلکہ ایک عالمی مہم ہے

۳۴۔ اے ایف پی رپورٹ، ڈان، ۱۹ فروری ۲۰۰۶ء ۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ ہفت روزہ الاہرام، ۱۲ فروری ۲۰۰۶ء ۳۷۔ انٹرویو ڈیلی ٹائمز، ۱۴ فروری ۲۰۰۶ء

جس میں ڈنمارک کو ذریعہ بنایا گیا ہے اور سب کا ہدف اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانا اور اسلام کی سب سے مقدس شخصیت اور اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور ان کو نعوذ باللہ دہشت گردی کے روپ میں دکھا کر مسلمانوں کو دہشت گردی کا منبع قرار دینا ہے۔ اسی طرح جہاد کو ''جو انصاف کے قیام کی ضمانت ہے'' آزادی کا محافظ اور ظلم اور بیرونی قبضے کے خلاف مزاحمت کا ذریعہ ہے، دہشت گردی کا نام دے کر مسلمانوں کو تہذیبی ہی نہیں سیاسی اور معاشی غلامی کے جال میں پھنسانا ہے۔ الحمدللہ! مسلمان اس شیطانی کھیل کو سمجھتے ہیں اور مسلمان حکمران خواہ کتنے بھی غافل ہوں بلکہ ان میں سے کچھ سامراجی قوتوں کے آلہ کار ہی کیوں نہ ہوں، لیکن مسلمان عوام اپنے دین، اپنے ایمان، اپنے نبیؐ کی عصمت اور عزت اور اپنے نظریہ حیات کی بنیادی اقدار کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگانے کو تیار ہیں اور کوئی رکاوٹ اس جہاد میں ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ دنیا کے ہر خطے سے احتجاج امت مسلمہ کی زندگی کی علامت ہے اور باطل قوتوں کے لیے اس میں واضح پیغام ہے کہ مسلمانوں کو نرم نوالا نہ سمجھا جائے۔

جس ڈنمارک سے یہ کروسیڈ شروع ہوا ہے اس کے ایک دانشور اور سابق وزیرخارجہ (Uffe Ellemann Jenson) نے بڑی دردمندی سے اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھا ہے:

> ''اب جب کہ پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارٹونوں پر تنازع ختم ہو رہا ہے، یا میں اس کی امید کرتا ہوں، یہ بات واضح ہے کہ اس میں جیتنے والے صرف انتہا پسند ہیں، اسلامی دنیا میں بھی اور یورپ میں بھی۔ مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ تنازع میرے ملک میں شروع ہوا جب ایک اخبار نے آزادی اظہار رائے کا مظاہرہ کرتے ہوئے کارٹون شائع کیے۔ یہ گرشتہ خزاں میں ہوا اور اس وقت میں نے اس کے خلاف کھلے عام آواز اٹھائی۔ اسے میں بے حسی پر مبنی ایک اقدام سمجھتا تھا کیونکہ یہ دوسرے لوگوں کے مذہبی جذبات کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ یہ واقعہ غیرضروری اشتعال انگیزی تھا اور خود ہماری اس آزادی کا مذاق اڑانے کے مترادف تھا جو ہمیں ازحد عزیز ہے اور جس کی ہمارے دستور میں ضمانت دی گئی ہے۔ میرے والد بھی ایک صحافی تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ آزادی اظہار رائے ہمیں وہ کچھ (جو آپ سوچتے ہیں) کہنے کا حق تو دیتی ہے لیکن ایسا کرنا لازمی نہیں ہے۔''[۳۸]

میری رائے میں اس منحوس واقعے کے سبق بالکل واضح ہیں۔ ہم سب کو تسلیم کرنا چاہیے کہ جدید دنیا میں یہ ضروری ہوتا جا رہا ہے کہ تمام معقول لوگ باہمی احترام، رواداری اور بہتر افہام وتفہیم کے لیے کام کریں۔ ہمیں ایسی صورت حال سے بچنا چاہیے جہاں مختلف ادارے ایک دوسرے کے مقابل ایسے طریقوں سے آجائیں کہ تشدد یک دم برپا ہوجائے۔ اس کے بجائے ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ مذاہب، اخلاق اور معمولات کے درمیان رواداری کے ذریعے پل تعمیر کریں۔

> ''آپ چاہیں تو اسے خود احتسابی کہہ لیں لیکن معقول لوگ ہمیشہ خود احتسابی پر عمل کرتے ہیں۔ اگر آپ ایسے کمرے میں ٹھہرنا چاہتے ہیں جس میں دوسرے لوگ بھی ہیں تو آپ کو کوشش کرنا چاہیے کہ غیرضروری اشتعال انگیزیوں سے آپ ان کو ناراض نہ کریں۔ ہم جس کمرے کے بارے میں بات

۳۸ Uffe Elleman Jenson: Ex Foriegn Minister Denmark

کررہے ہیں، وہ مقامی تالاب نہیں بلکہ عالمی گاؤں ہے، بقائے باہمی کی کلید ہے۔''.....''دنیا میں ایسے افراد کی کمی نہیں۔ موجودہ صورت حال کتنی ہی خراب اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو اگر اصحاب خیر ہمت کر کے کوشش کریں تو اسے انسانوں کے درمیان دوستی اور اعتماد باہمی کے پل باندھنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے''۔۳۹

یہ توہین آمیز خاکے اسلام دشمن قوتوں کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا جو تہذیبوں کے تصادم پر پہلے منصوبے بناتے ہیں، پھر کتابیں شائع کرتے ہیں اور پھر اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے کوششوں میں مصروف ہو جاتے ہیں یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی حمیت کو جانچنے کے لیے Test Case ہے۔اصل مغرب اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے پرفریب نعروں میں جس ڈھب پر امت مسلمہ کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان جو فی الوقت ویسے بھی زوال کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اپنی دینی حمیت سے بھی دستبردار ہو جائیں نام کے اعتبار سے مسلمان ہوں مگر عملاً سیکولر ہو جائیں۔ اس کے لیے بہت عرصے سے وطن عزیز میں بھی سازشی عناصر کام کر رہے تھے۔ اور ہمارے کچھ لوگ دانستہ اور کچھ نا دانستگی میں پیٹ کی خاطر ان کے آلہ کار بن کر سازشوں میں مصروف تھے۔ اور کبھی دستور کے اسلامی حصے ان کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہے اور کبھی نظام تعلیم اور اب اس پر نشتر چلائے جا رہے ہیں۔ حدود آرڈیننس کے خلاف مغرب زدہ این جی اوز کی آلہ کار خواتین کے ذریعے سے جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جارہا تھا کہ یہ عورتوں کے حقوق کے خلاف ہے جبکہ حقیقتاً ہمارے اس کا نفاذ کا صحیح نہیں ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے ایسے نام ڈال دیے گئے ہیں جو نہ کبھی علمی شخصیات تھیں اور نہ کبھی تحقیق سے جن کا واسطہ تک رہا۔ وہاں پر متنازعہ نظریات کے حامل افراد کو مقرر کر کے اس دستوری ادارے کی حیثیت ہی مشکوک کردی گئی ہے جو اب اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیں گے۔ فیڈرل شریعت کورٹ پر بھی یہ اسلام دشمن طاقتیں حملہ آور ہوتی رہتی ہیں کہ اس دستوری ادارے کو ختم کردیا جائے۔ نظام تعلیم کو آغا خان کے حوالے کر کے نظریاتی اساس ہی پر تیشہ چلایا جا رہا ہے۔ جو اب قادیانیوں کی جگہ مغرب کے نئے آلہ کار کے طور پر مسلمانوں کے اندر سازشیں کرنے میں مصروف ہیں اور جن کی Credibiltiy پر اور کوئی بھی کامیابی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ سیکولر لوگ ہیں اور اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔

چاروں طرف مایوسی کے عالم میں نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کی حیثیت خس و خاشاک کے تنکوں سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک ارب سے زائد مسلمانوں کی موجودگی اور 55 سے زائد مسلمان ریاستوں کے باوجود اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی موجودگی کے باوجود جو کہ ایٹمی طاقت بھی ہے۔ توہین رسالتؐ کا مکروہ اور قابل مذمت اقدام جاری ہے اور روزانہ امت مسلمہ کے زخموں پر نمک کی طرح چھڑکا جارہا ہے۔

مگر شاید اب امت کے خواب غفلت سے بیدار ہونے کی گھڑی قریب ہی ہے۔ شب کی تاریکی جب گھور سیاہی میں تبدیل ہوتی ہے تو سحر کی نوید کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ امت مسلمہ کی تقدیر کی سیاہی بھی روشنی میں تبدیل ہونے والی ہے۔

۳۹۔ خورشید احمد، توہین آمیز خاکے، نئی صلیبی جنگ کا زہریلا ہتھیار، ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۰۶

آسماں سحر کے نور سے آئینہ پوش ہونے کو ہے اور رات کی ظلمت سیماب پا ہونے کو ہے۔ فلسطینی مسلمانوں نے اپنی حمیت دینی کے جذبے کو مسلسل جبر اور غلامی کی زنجیروں میں بھی سلامت اور جواں رکھا ہے۔ اہل پاکستان کی طرح ذہنی غلامی کا شکار نہیں ہوئے اور فکری شکست قبول نہیں کی۔ امت کو متحد اور متفق ہو کر پہلے اپنی ریاستوں میں ذہنی غلاموں اور نام نہاد روشن خیالوں سے چھٹکارا پا کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی قبول کرنی ہوگی۔ اعتدال پسندی اور روا داری کے نام نہاد اور پر فریب نعروں کی آڑ میں سیکولرازم اور دینی بے حمیتی کو مسترد کرنا ہوگا۔ عورت کو بھی جاہلانہ رسوم و رواج اور جدید مساوات مرد وزن اور حقوق نسواں کے دھوکے میں پڑنے کی بجائے اپنے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں پلٹ کر پناہ تلاش کرنی ہوگی۔ تب ہم اپنے اصل مخالفین کا مقابلہ بھی ہمت سے کر سکیں گے۔ تاج اچھالنے اور تخت گرانے کے لمحے قریب ہیں اور پوری امت اور پاکستان کے حکمرانوں کو بھی نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیے کہ غیروں کے مفادات کا تحفظ کرنے اور ان کے لیے قابل قبول بننے کی بجائے اپنی ملت کے محافظوں کی صف میں کھڑے ہونے کا انتخاب کر لیجئے۔ عنقریب پوری امت کے عوام اپنی سرآنکھوں پر صرف انہی رہنمایان وطن کو بٹھائیں گے جو ان کے عقیدے کا، ان کی آرزوؤں کا اور ان کے خوابوں کی تعبیروں کو تحفظ دینے کے اہل ہوں گے۔

جن منصوبہ سازوں نے بھی مسلمانوں کو امریکہ، برطانیہ، فرانس کے بعد اہل یورپ کے ساتھ لڑانے کی سازش تیار کی ہے۔ انہیں خبر ہو کہ مسلمان تہذیبوں کے تصادم کی بجائے مکالمے کے خواہاں ہیں۔ امن اور سلامتی کے داعی ہیں۔ آخری آسمانی ہدایت کے حامل ہیں اور اس زمین کو انسانیت کے لیے امن اور سکون کی جگہ بنانے کے خواہاں ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدے کے رشتے کے ساتھ ساتھ عقیدت کی انتہائی حدوں کے ساتھ محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔ ان کے ایمان کا تقاضا بھی ہے کہ وہ دنیا کی ہر محبت سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مقدم جانیں اور ان کی محبت کا عملی اظہار بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے اور غازی علم دین شہید پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

30 ستمبر 2005ء کو ڈنمارک کے اخبار یولاند پوسٹن کے بارہ شیطانی خاکوں نے مسلم دنیا کی ایمانی غیرت کو للکارا تھا اور اُسے جنوری 2006ء میں 22 ممالک کے 75 اخبارت نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ دوبارہ شائع کیا، 200 ریڈیو اور ٹی وی چینلز نے انہیں اس ارادے سے بار بار نشر کیا کہ مسلمانوں کو اسکا عادی بنا کر انکے ردعمل کی قوت کو ختم کر دیں ۔مختلف ممالک نے اسے تہذیبوں کے تصادم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی اور اب 20 مئی کو ہونے والے نیویارک کے ایک میدان Westwood میں اخلاق، تہذیب اور تقدس کے مفاہیم سے عاری 1200 شیطانی منصوبہ ساز پوری اسلامی دنیا کے عقیدے اور محبتوں کے مرکز کے خلاف برملا اعلان جنگ کر رہے ہیں۔ اور استھزاء اور اہانت کے ہتھیاروں سے ہماری غیرت اور حمیت پر حملہ آور ہیں۔ فیس بک جو کہ مقبول عام ویب سائٹ ہے اور ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں روزانہ کروڑوں لوگ اسے کھولتے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے اور معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اس پوری مہم کو صرف فیس بک سے جوڑنا اور یا صرف فیس بک کو ہدف تنقید بنانا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں اور ہماری اقدار اور عقیدے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہاں پر اخلاق، تہذیب اور ایمان کے الفاظ اب

کوئی معنی نہیں رکھتے وہ اپنا تقدس کھو چکے ہیں او روہاں پر کوئی ان کے عقیدے اور نبیﷺ کو چیلنج کرے یا گستاخی کرے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔مادہ پرستی اور دنیا ان کا الہ بن چکے ہیں اورصرف دنیاوی پیمانوں سے ہی ہر چیز کو ناپا جا رہا ہے مگر امت مسلمہ جو کہ صدیوں کی غلامی سے راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی اور اس کے حکمرانوں میں روحِ جہاد اور علماء میں روحِ اجتھاد ختم ہو چکی تھی اورعوام کا ایک قلیل گروہ بے بسی اور بے کسی کی تصویر بن کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے کیونکہ انکی ملت کے عوام وخواص اورخصوصاً حکمران اپنے فرائض سے غافل ہیں۔اُمت مسلمہ کے اس زوال کے دور میں جس میں تعلیم اور سیاست دونوں اپنی اسلامی تہذیب کی حفاظت سے دست کش ہوتے جارہے ہیں اور ہماری اجتماعیت کا شیرازہ بکھرتا جا رہاہے۔قومی اور اجتماعی مفاد کا تصور دماغوں سے کھرچا جا رہاہے اور انفرادیت پسندی اور خودغرضی مسلط ہورہی ہے۔سیاسی اقتدار اور سیاسی عروج کے زوال کے ساتھ ہی ملت افلاس ، غلامی ، جہالت اور بداخلاقی کا شکار ہورہی ہے۔دین ،خلاق تہذیب وتمدن کی قدر وعزت اور انکا احترام انسانیت کی بلند قدریں ہیں جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہیں اور روٹی، کپڑا ،پیٹ اور آسائشِ بدن اورنفس کی لذات حیوانی جبلت ہیں۔اور جب انسان مادہ پرستی اورنفس پرستی کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہےتو اعلیٰ انسانی اقدار کو اس پر قربان کردیتا ہے اور ان قدروں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی ۔مغربی تہذیب اُسی مادر پدر آزاد معاشرے کو قائم کر چکی ہے جہاں پر دین ،اخلاق اور کردار ثانوی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔دنیاوی فلاح وکامیابی اور مادہ پرستی اور دنیا میں اعلیٰ مقام کسی بھی قیمت پر حاصل کرنا مطمع نظر بن چکا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں میں اسلام کی صیح روح اورتعلیم سے ناواقفیت نے انہیں تربیت اور تنظیم سے بالکل بے بہرہ کر کے انکے ملی جسد کو انتشار اور افتراق کا شکار کر کے پارہ پارہ کر دیا ہے۔گلوبلائزیشن کے اس دور لامرکزیت نے مسلمانوں کو ان کے اجتماعی مفاد کے لئے متحد ہوجانے کی صلاحیت سے محروم کر دیا ہے ۔نفس پرستی اور منافقت کے اس دور میں شیطانی ہذیان زدہ لوگ اس ہستیﷺ جو کہ اس امت کے لئے آخری منبع ومرجع ہے،کوھدف بنا رہے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی پاگل سورج ،پانی اور ہوا کو گالی دے یا روشنی ،موسم اور فضاء کو برا بھلا کہے۔کسی صاف اور شفاف میٹھے پانی کے چشمے کو ہزاروں لاکھوں لوگ گدلا اور کھارا کہنے لگیں تو اس چشمے کو کیا فرق پڑتا ہے۔اپنی تمام تر صفات کے ساتھ وہ بدستور اپنے فیض سے لوگوں کو مستفید کرتا رہتا ہے۔اسی طرح چمکتے ہوئے سورج کو لاکھوں لوگ بھی سیاہ پتھر کہنے لگیں تو اس کی ایک کرن کو بھی روک نہیں سکتے۔ وہ بدستور چمکتا رہیگا۔اور اس ذاتِ بابرکات ہستی کے لئے کیا فرق پڑتا ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہو۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ. (الحجر ۹۵) آپ کا مذاق اڑانے والوں کے خلاف ہم اپ کی حمایت کے لئے کافی ہیں۔

واللهُ يَعصِمُكَ مِنَ النّاسِ (مائدہ ٦٧) اوراللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچا کر رکھنے والا ہے۔

ان شانئک هو الابتر،ترجمه اور یقیناً تمھارا دشمن ہی بے نام ونشان اور جڑ کٹا رہے گا.

اور اسی طرح کی بہت سی آیات جن میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کو اذیت دینے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں رسوا کن عذاب کی خبریں دی گئی ہیں۔اور جن پر تاریخ نے اپنی گواہیاں بھی ثبت کی ہیں کہ اہانت رسولﷺ کے مرتکب

ہونے والوں نے کبھی دنیا میں بھی سکھ نہیں دیکھا ۔جنہوں نے حضورﷺ کا مذاق اڑایا ،زمانے نے خودانہیں مذاق بنادیا اور عبرت کا نشان بنا کر رکھ دیا۔

امت کا مفاد اسی میں ہے کہ اس عظیم ترین ہستی اور محبوبِ دوجہاںﷺ کے حقوق اور مفادات کا دفاع کرے تا کہ معاشروں کا امن بھی قائم رہے اور افراد کی اصلاح کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اس مثالی شخصیت کے ساتھ عقیدت ومحبت میں بھی ذرہ برابر کمی نہ ہو۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ ؐ است
آبروئے مازنام مصطفیٰ ؐ است

مغرب روحانی اقدار سے بیگانہ ہو گیا ہے اور یہ زمانہ اپنی روح کے اعتبار سے مادے پر استوار عقلیت Rationalism کا شکار ہے۔مسلمان بھی اسی مادی ماحول سے متاثر ہو کر ایمان کو اپنے جلیل القدر رب العالمین اور حضوراقدسﷺ کے احکام کے روشنی میں پرکھنے کے بجائے یورپی مادی عقلیت کے میزان میں تولتے اور اپنی غیرت اور خودی سے غافل ہوئے جارہے ہیں۔اس کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

اے تہی ازذوق و شوق وسوز و درد
می شناسی عصر ما باما چہ کرد
عصر ما ما را زما بیگانہ کرد
از جمال مصطفیٰ ؐ بیگانہ کرد

ترجمہ: اے عشق ومحبت اور سوز ودرد ،عشق سے تہی دامن مسلمان! تمھیں کچھ خبر ہے کہ زمانے نے میرے ساتھ کیا کیا؟ میرے زمانے نے مجھے مجھ سے اور میری خودی اور غیرت سے سے بے بہرہ کرکے بے حمیت بنادیا۔اور حدتو یہ ہے کہ حضورﷺ کے عشق سے بھی بے گانہ کردیا۔

نبی کریمﷺ کی ذات مبارک ہی وہ سائبان ہے جس میں خوار وزار امت پناہ لے کر متحد ہوتی ہے اور سکون پاتی ہے۔دشمن اس آخری سہارے سے بھی امت کو محروم کرنا چاہتی ہے مگر مسلمان عوام نے مشرق سے مغرب تک اپنے عالم گیر رد عمل سے یہ ظاہر کردیا ہے کہ اس خاکستر میں ابھی بھی شعلہ جوالا بننے کی خاصیت رکھنے والی چنگاریاں موجود ہیں اور یہ ردعمل ایمان کی اس رمق کو بچانے کے لیے بہت ضروری بھی ہے جسے امت مسلمہ کی جسد سے نکالنے کے لیے نبی مہربانﷺ کی ذات اقدس کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔

اس ردعمل کو صرف وقتی اور جذباتی نہیں ہونا چاہیے اس کے لیے ملت کے اہل دانش اور حکمرانوں کو اس معاملے کے سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے فوری طور پر سوچ بچار کرنی چاہیے۔مسلمان ممالک کو فوری طور پر OIC کا اجلاس بلا کر طویل المیعاد منصوبہ بندی کرنی چاہیے اور اس معاملے پر اپنی بے حسی کو ختم کرنا چاہیے۔یہ بے حسی اس بے حمیتی کو جنم دیتی ہے جس سے شہہ پا کر ہر کچھ عرصے بعد ہمارے عقیدے اور ایمان پر حملے کیے جاتے ہیں۔کبھی داڑھی، کبھی مینار، کبھی حجاب

اور حد تو یہ ہے کہ ایمان کے مرکز حضورﷺ کی ذات بھی نشانہ بنتی ہے اور نہ اقوام متحدہ اور نہ یورپی یونین اور نہ سردار بہادر امریکہ کہ جس نے مسلمان اقوام اور ان کی ریاستوں کو اپنی چراہ گاہ بنا رکھا ہے، کے کانوں پر جوں تک رینگتی ہے۔ہمیں عالمی سطح پر اپنے جذبات کے اظہار کے لیے پر امن جدوجہد کرنی ہے۔معاشی اور سفارتی محاذ پر دباؤ بڑھانا ہے۔جن ممالک میں یہ گستاخی ہو ان پر سفارتی دباؤ اور ان کا معاشی بائکاٹ کیا جانا ہمارا ہدف ہو۔مسلمان ممالک کے حکمران اگر اپنے عوام سے کیے گیے وعدوں اور ان کے خوابوں کو پورا کرنے کی بجائے غیروں کی دریوزہ گری میں مشغول ہوں، ان کا احتساب کر کے منظّم جدو جہد سے تبدیلی لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔کیوں کہ تبدیلی پر امن اور منظّم جدوجہد سے ہی ممکن ہے۔ Face book کے اس چند روز کے بائکاٹ سے یہ اندازہ بخوبی ہو رہا ہے کہ منظّم اور پر امن جدو جہد سے ہی ہم اپنی کھوئی ہوئی منزل پا سکتے ہیں۔اس کے لیے ہمیں اسلام کا وہ صحیح چہرا جو کہ باطل کے خلط ملط ہونے سے دھندلا گیا ہے۔کبھی اسے سیکولر بنادیا جاتا ہے اور کبھی اسے دہشت گردی اور دقیانوسیت کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ہمیں اپنے نظریات، اخلاقیات ،معاشیات کے ساتھ ساتھ تعلیم اور تربیت اور معاشرت اور تہذیب کو بھی عروج پر پہنچانا ہے کیوں کہ:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزامرگ مفاجات

ہمیں اس صدمے کو قوت میں بدلنا ہے اور بیداری کی جو لہر اس امت میں دوڑ پڑی ہے اس کی رفتار کو سست نہیں ہونے دینا ہے۔ہمیں مغرب کے ساتھ مکالمے کے ذریعے امن اور رواداری کے جذبات کو پروان چڑھانا ہے مگر برابری اور حمیت کے اصولوں کو بھی پس پشت نہیں ڈالنا۔ہم اپنے آپ پر فخر کرنا سیکھیں اور دنیا کو یہ پیغام دیدیں کہ آخری آسمانی ہدایت ہمارے پاس ہے۔ہم اللہ کی اس زمین پر اسی کا نظام چاہتے ہیں تاکہ انسان انسانوں کی غلامی سے نکل کر اپنے ایک رب رحمان کے سایہ عاطفت میں آجائیں۔ہم ردعمل کا شکار ہو کر اپنی اصل طاقت کو ضائع نہ کریں اور اپنے دین کا صحیح نمائندہ بنیں اور اس کی دعوت کو صحیح طریقے سے پہنچانے والے ہوں۔

دنیا میں انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور روز بروز تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے۔پہلے ان کے لیے زمانہ درکار ہوتا تھا اب لمحوں میں وہ سفر طے ہونے لگا ہے اور کبھی تو لمحے کی خطا صدیوں کی سزا میں تبدیل ہوسکتی ہے۔اور کبھی پلک جھپکتے اور دو گام چل کر بھی منزل سامنے آجانے کا امکان بن رہا ہے۔مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ہم ایمان بالغیب رکھنے والی قوم ہیں۔ہم زمینی حقائق اور اسباب پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اپنے قوی اور قادر رب کی قوت پر بھروسہ رکھتے ہے کہ جب اسکا حکم آجائے تو سب زمینی حقائق زمین بوس ہو جایا کرتے ہے۔ہمیں حضور نبی کریمﷺ سے محبت کے اس خزانے کو ضائع نہیں کرنا۔اس بکھری ہوئی مگر اللہ اور رسولﷺ کی محبت سرشار امت کو اسی مرکز محبت کے گرد اکھٹا کرنا ہے۔ان حالات میں بھی کوئی اگر قانون توہین رسالت میں تبدیلی کا کوئی سوچتا بھی ہو انکی بات سختی سے رد کرتے ہوئے انہیں یہ باور کرانا ہے کہ یہ معاشروں کے استحکام اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے اہم ترین قانون ہے کہ کوئی شر پسند قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لے بلکہ جن برگزیدہ ہستیوں کی بدولت یہ دنیا نیکی،سچائی ،حق پرستی اور عدل و انصاف جیسی قدروں سے آشنا ہوئی۔ان کی شان میں گستاخی کو کوئی

معاشرہ اور مذہب برداشت نہ کرے اور حضور نبی کریم ﷺ جن کو اللہ نے سراجاً و ہاجاً اور سراجاً منیراً کا لقب دیا ہے کہ جس طرح سورج روشنی ،حرارت اور توانائی کا منبع ہے اسی طرح حضور ﷺ کی ذات گرامی بھی مسلمانوں کی زندگی کا سرچشمہ ہے جو ہر ایک کو فیض یاب کرتا ہے اس فتنوں کے دور میں آیئے ظلمت شب کا رونا رونے کی بجائے اپنے حصے کی شمع یہ کہتے ہوئے جلائیں :

نحن الذین بایعوا محمداً

علی الجہادِ مابقینا ابداً

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے آقائے دو جہاں سے اس بات پر بیعت کی ہے کہ جب تک ہمارے سر ہمارے دھڑوں پر سلامت ہیں ہم آپ کے لائے ہوئے نظام اور سنتوں کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں گے۔

تحفظ حقوق نسواں ، مثبت اور منفی کوششیں

1975ء پاکستان ویمن کمیشن کمیٹی کا قیام :

سربراہ یحییٰ بختیار (اٹارنی جنرل آف پاکستان)

مقاصد:

خواتین کمیشن کی سفارشات کا جائزہ۔

خواتین کے سماجی مقام و مرتبہ کا تعین۔

معاشی حالات کو بہتر بنانا

اس کمیٹی نے نان نفقہ کے حصول، بچوں کی سرپرستی وغیرہ کے معاملات کو آسان اور سہل الحصول بنانا تھا۔ اس کی رپورٹ 1976ء میں آئی لیکن حکومت کی تبدیلی کے ساتھ کام آگے نہ بڑھ سکا۔ خواتین کمیشنز اور ان کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ کمزور حکومتی نظام میں اقوام متحدہ کا ایجنڈا تیزی سے تکمیل نہ پاسکا۔ لیکن عالمی کوششوں کے واضح اثرات پاکستانی معاشرے مرتب ہو چکے ہیں۔ کمیٹی نے خواتین کو متاثر کرنے والے قوانین پر ترامیم کرنے کے ساتھ ساتھ انتظامی اقدامات بھی تجویز کیے۔

''پاکستان میں 1988ء سے 1993ء کے پانچ سالہ منصوبہ کی روشنی میں پاکستان کی عورتوں کی حال زار پر رپورٹ مرتب کی گئی ہے۔ اس میں عورت کے مسائل مندرجہ ذیل بیان کیے گئے ہیں۔''[۴۰]

زنا بالجبر، اجتماعی زیادتی، چھوٹی بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات، گھریلو اور معاشرتی تشدد کے واقعات میں اضافہ۔ ملک کے مختلف حصوں میں لڑکیوں کا فروخت ہونا۔ صلح بدل میں شادی، قرآن سے شادی، کاروکاری اور غیرت کے نام پر قتل سنگین ترین مسائل ہیں۔

۴۰۔ ثریا بتول علوی، خواتین کمیشن رپورٹ کا جائزہ ،ص۴،۵ ،منشورات ،لاہور

اقوام متحدہ کی کوشش اور پاکستانی کمیشنز کے کام کے نتیجے میں جو فضا بنی اس کے منفی اثرات اس طرح بنتے ہیں:

☆۔ مرد کو عورت کے بالمقابل کھڑا کرنا۔ خاندان کے سربراہ کا تصور ختم کرنا۔

☆۔ خاندانی نظام میں دراڑیں ڈالنا۔

☆۔ تقسیم کار کے نام پر تفریق پیدا کرنا۔

☆۔ خواتین کے لیے ہر طرح کی تعلیم عام کرنا۔

☆۔ ہر محکمے میں ملازمت کے مواقع فراہم کرنے پر اور یہاں تک کہ افواج میں بھی۔

☆۔ بلدیاتی اداروں سے لے کر سینٹ تک 33% نمائندگی اب 50%۔

☆۔ شناختی کارڈ پر لازمی تصویر۔

☆۔ خواتین کو نکاح رجسٹرار مقرر کرنا۔

☆۔ تعدد ازدواج پر پابندی اور کورٹ میرج کی اجازت۔

☆۔ جہاں مرد اور عورت کی تعلیم یکساں ہو عورت کو ملازمت کے لیے ترجیح دی جائے۔

☆۔ خاندانی منصوبہ بندی اور جنسی تشدد کے مضمون کو بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے (کر دیا گیا)

☆۔ خواتین کو نس بندی کا اختیار دیا جائے۔ 120 دن کے اندر اسقاط کی اجازت۔

☆۔ کم عمری کی شادی پر سزا، اپنی مرضی سے تعلقات قائم کرنے پر سزا نہ دی جائے۔

مثبت کام اور اثرات:

☆۔ پنشن کی تقسیم میں برابری

☆۔ غلامی، جبری مشقت، عصمت فروشی اور جنسی استحصال پر پابندی۔

☆۔ ممکن ہو تو تفتیش بھی خواتین افسر سے ہی کرالی جائے۔

☆۔ 16 سال سے عمر کم ہو تو لازمی والدین کی موجودگی۔

☆۔ خواتین کا نام اور تصاویر پریس میں نہ دی جائیں بلکہ سماعت بھی بند کمرے میں کی جائے۔

☆۔ ضمانت اور پیرول پر رہائی کے معاملات پر بہتری پیدا کی جائے۔

☆۔ خواتین کے علیحدہ تھانے بنائے جائیں۔

☆۔ مظلوم خواتین کے لیے دارالامان بنائے جائیں۔

☆۔ میڈیا پر عورت کی اشتہار بازی بند کی جائے۔

☆۔ عورتوں کا ضابطہ اخلاق بنایا جائے۔

☆۔ خاندانی زندگی میں جمہوری رویوں کا فروغ اور عورت و مرد کامل کر گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔

1994ء خواتین کمیشن کا قیام:

پاکستانی قوانین کے مسائل اور ان کا حل تجویز کرنے والا یہ کمیشن 25 ستمبر 1994ء کو سینٹ کی ایک قرارداد کے

ذریعے عمل میں آیا تھا۔[۴۱]

یہ قرارداد پیپلز پارٹی کے جناب یحییٰ بختیار نے پیش کی تھی۔ قرارداد کا بنیادی مقصد مارشل لا دور میں جاری ہونے والے خواتین متعلق صدارتی آرڈی نینسوں کا جائزہ لینا تھا۔ کیونکہ ان کے بقول یہ قوانین خواتین کے لیے غیر مناسب تھے اور پاکستان کے لیے بدنامی کا باعث بن رہے تھے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ''خواتین کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیشن قائم کیا جائے جو نہ صرف غیر مناسب قوانین کی تبدیلی کے لیے سفارشات پیش کرے بلکہ ان کے ذرائع وسائل سے بھی بحث کرے جو ان سفارشات کے نفاذ کی ضمانت بن سکیں۔''[۴۲]

بحث کے دوران جماعت اسلامی کے نائب امیر اور سینیٹر پروفیسر خورشید احمد صاحب نے دو مزید تجاویز کی طرف توجہ دلائی۔

1۔ صرف مارشل لاء دور کے قوانین ہی کو زیر بحث نہ لایا جائے بلکہ خواتین سے متعلق تمام قوانین کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

2۔ صورت حال کی بہتری کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں تمام سفارشات پیش کی جائیں۔ ان کی یہ دونوں تجاویز تھوڑی ردوبدل کے بعد قبول کر لی گئیں۔ متفقہ طور پر یہ منظور ہونے والی قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

''ایوان سفارش کرتا ہے کہ ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن قائم کیا جائے جس میں یہ علماء ماہرین قانون اور نمائندہ خواتین شامل ہوں اور سپریم کورٹ کے ایک جج اس کمیشن کے چیئرمین نامزد کیے جائیں یہ کمیشن تمام قوانین کا، جو آرڈی ننس پالیسی اور ذریعے سے نافذ ہوئے ہوں، جائزہ لے گا کہ وہ خواتین کے حقوق، رہن سہن اور ان کی سماجی و قانونی حیثیت پر کسی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں پھر وہ ایسے اقدامات تجویز کرے جن کے ذریعے ان قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جا سکے۔''[۴۳]

وفاقی حکومت نے ایک حکم نامے کے ذریعے 19 اکتوبر 1994ء کو اس کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ ابتداء میں اس کمیشن کے پانچ ارکان تھے:

1۔ جسٹس سعد سعود جان (چیئرمین) 2۔ سینیٹر یحییٰ بختیار 3۔ سینیٹر جاوید اقبال
4۔ بیگم عاصمہ جہانگیر 5۔ مولانا محمد طاسین

مگر عورتوں کی مختلف نمائندہ تنظیموں نے اس پر اعتراض اٹھایا کہ کمیشن میں عورتوں کی نمائندگی بہت کم ہے۔ چنانچہ اس میں مزید خواتین کو نمائندگی دی گئی۔ 1996ء میں جسٹس سعد سعود جان اقوام متحدہ میں چلے گئے تو جسٹس ناصر اسلم زاہد اس کمیشن کے چیئرمین نامزد ہوئے۔ از سر نو تشکیل پانے والے کمیشن کی یہ شکل بنی: جسٹس ناصر اسلم زاہد، چیئرپرسن (چیئرمین کے بجائے)، سینیٹر یحییٰ بختیار، سینیٹر مسعود کوثر، بیگم عاصمہ جہانگیر، مولانا محمد طاسین، بیگم شاہین سردار علی، بیگم شہلا ضیاء، بیگم شہباز

۴۱۔ خواتین کمیشن کا قیام:۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء

۴۲۔ سینٹ کی کارروائی مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء، اس بحث میں خواتین کے متعلق دیگر تفصیلات بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

۴۳۔ خواتین کمیشن کا قیام:۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۴ء

جاوید، سینیٹر بیگم فضہ جونیجو، بیگم ریحانہ سرور، بیگم انیسہ زیب اس کمیشن کے ارکان پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس میں صرف ایک عالم دین کو نمائندگی دی گئی ہے اور ایک مخصوص مکتبہ فکر کی سات خواتین کو نامزد کیا گیا ہے۔

تین سال تک اس کمیشن کی نشستیں ہوئیں۔ کئی دوسرے لوگوں سے بھی ضروری مشورے لیے گئے، بالآخر اگست 1997ء میں حکومت نے یہ رپورٹ جاری کردی۔ آغاز میں اس کمیشن کی تشکیل کا یہ مقصد بیان کیا گیا تھا کہ اس کی تمام سفارشات قرآن وسنت کے مطابق ہوں گی۔ رپورٹ کے مقدمے میں جسٹس ناصر اسلم زاہد نے بھی یہ لکھا:

> ''براعظم پاک وہند میں عورت مظلوم ہے۔ گھریلو معاملات میں مرد حاوی ہے۔ عورت کو انصاف نہیں ملتا۔ یہی صورت حال زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ہے..... آخر وہ کہاں تک احتجاج کرسکتی ہے۔ اسلام نے اسے جو حقوق دیے ہیں، ان کے بارے میں بھی عوام الناس میں بڑے مغالطے پائے جاتے ہیں کہ وہ عورت کو صرف گھر کی چار دیواری تک محدود رکھتا ہے اور باہر نکل کر ملازمت یا اپنا کاروبار کرنے سے روکتا ہے حالانکہ قرآن وحدیث نے اس کو اونچا مقام دیا ہے۔ اس طرح گویا وہ یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ کمیشن کی تمام سفارشات قرآن وسنت کی حدود کے اندر ہیں، اس کے برعکس یا مخالف نہیں ہیں (خواتین کے بعض اجلاسوں میں جسٹس ناصر اسلم زاہد نے یہ چیلنج بھی کیا کہ ان کے کمیشن کی کسی سفارش کو قرآن وسنت کے خلاف ثابت کیا جائے)''۔[۴۴]

اس نقطۂ نظر سے رپورٹ کی سفارشات کا جائزہ لیا جائے تو صورت حال یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ پوری رپورٹ میں بار بار جس بات کا اعادہ کیا گیا ہے اور ابتدا ہی میں جس مقصد کو اپنی غرض وغایت بنایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم آج کی دنیا میں الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کے لیے ہمیں اپنے قوانین کو ان کے مطابق بنانا ہوگا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ خواتین کے بین الاقوامی کنونشن مثلاً سیڈا (CEDAW) جس کا اصل نام "Convention of U.N.O on the elimination of all kinds of discrimination against women" (خواتین کے متعلق ہر قسم کے امتیاز کے خلاف اقوام متحدہ کا کنونشن) ہے۔ اس دستاویز کو جنرل اسمبلی نے 1979ء میں پاس کیا تھا اور اقوام متحدہ کے دیگر پروگراموں پر دستخط کرچکا تھا۔ اس کمیشن نے اس طرح صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اس کمیشن کا مقصد اقوام متحدہ اور دوسرے عالمی اداروں کے پروگرام پر عمل درآمد کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اس کمیشن نے خواتین کے لیے کام کرنے والی رضا کار تنظیموں یعنی این جی اوز کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ان میں سے بیش تر تنظیمیں وہ ہیں جو 1980ء کے عشرے میں غیر ملکی سرمائے سے قائم ہوئیں۔ ان تنظیموں کا مقصد ہی یہ تھا کہ مغرب کی بے خدا ثقافت اور کلچر کو وطن عزیز کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔ اور اس رپورٹ کو مرتب کرنے والی خواتین کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔

رپورٹ کا مجموعی تاثر

کمیشن نے اس رپورٹ میں بے شمار سفارشات پیش کی ہیں کہ حکومت عورت کی اصلاح اور بہتری کے لیے یہ قدم اٹھائے، وہ کام کرے اور اس طرح قانون بنائے وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ ساری اپیلیں حکومت کے مردوں سے ہی کرنا تھیں تو پھر یہ

۴۴۔ ثریا بتول علوی، خواتین کمیشن رپورٹ کا جائزہ، ص ۵، ۶، منشورات، لاہور

آزادی نسواں کیسے ہوئی اورعورت مرد کے تسلط سے کیسے آزاد ہوئی ؟ گھر کے مرد (شوہر) سے تو اس نے آزادی حاصل کی مگر حکومت کے مردوں سے یہ التجائیں اور درخواستیں چہ معنی دارد؟

آج کل نجکاری (Privatization) کا دور ہے۔حکومت ہر کام نجی شعبے کے حوالے کر رہی ہے۔وہ لاتعداد گھروں کے سیکٹر کو کس طرح سنبھال سکے گی۔جب اللہ تعالیٰ نے خود یہ کام ہر گھر میں نجی شعبے میں مرد عورت کو نکاح کے ذریعے آپس میں مربوط کر کے مکمل کر دیا ہے تو وہ بہتر طریق کار ہے یا مرد وعورت کو باہم متصادم کر کے حکومت سے قانون سازی کی سفارش کرنے والا انداز موزوں رہے گا۔

کمیشن کے فلسفہ کے مطابق ہر جگہ سیاسی اداروں، تعلیمی درس گاہوں، فوج، عدلیہ اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں عورت کو مرد کے شانہ بشانہ رہنا چاہیے۔ دوسری طرف یہ آرزو بھی ہے کہ کوئی مرد کسی خاتون کو جنسی طور پر ہراساں بھی نہ کرے۔ خلاف ورزی پر مردوں پر فلاں فلاں پابندیاں عائد کی جائیں اور یہ قانون سازی وسزا ہو، کیا خواب ! آگ اور ایندھن کو یکجا کر کے چاہا جا رہا ہے کہ کچھ نقصان بھی نہ ہو۔کیا پردہ، حجاب چادر اور چار دیواری والا طریق کار عورت کے تحفظ کا بہترین طریقہ ہے، یا مساوات مرد وزن والا؟[۴۵]

یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ آیا یہ رپورٹ عام پاکستانیوں کے لیے شائع کی گئی ہے یا محض مغرب زدہ طبقہ خواتین کے لیے؟ اگر یہ عام پاکستانی خاتون کے لیے ہے تو پھر اسے لازماً قومی زبان اردو میں ہونا چاہیے تھا۔اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رپورٹ صرف ایک مخصوص طبقے یعنی مغرب زدہ خواتین کے لیے لکھی گئی ہے، اور یہ انھی کے مفاد میں ہے۔اسی لیے انھی تنظیموں نے اس رپورٹ کے کئی جعلی ایڈیشن شائع کر کے اسے پھیلایا ہے۔

سپریم کورٹ کے جج کی سربراہی میں قائم کیے گئے خواتین کے حقوق سے متعلق اس کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں، وہ مذکورہ بالا حقیقت کا زندہ ثبوت ہیں۔بطور نمونہ چند سفارشات ملاحظہ ہوں:

- بیوی کی مرضی کے بغیر ازدواجی تعلق کو قابل سزا جرم (marital rape) قرار دیا جائے (ص۷۵)۔
- عورت کو ۱۲۰ دن کا حمل ساقط کرانے کا حق حاصل ہونا چاہیے (ص۵۸)۔
- عورت کو شوہر کی مرضی کے بغیر نس بندی آپریشن کرانے کی اجازت دی جائے (ص۹۵)۔
- کم عمر بیوی سے اس کی مرضی کے بغیر ازدواجی تعلق قائم کرنے کو زنا قرار دیا جائے (ص۶۱، ۷۵)۔

ان سفارشات کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ وطن عزیز میں اقوام متحدہ کی زیر سرپرستی قاہرہ کانفرنس (۱۹۹۴) اور بیجنگ کانفرنس (۱۹۹۵) کے آزادی نسواں کے پروگراموں ہی کو آگے بڑھانے کا ایک باضابطہ پروگرام ہے۔ان کا ایجنڈا اس کے سوا اور کیا ہے کہ حقوق نسواں اور مساوات مرد وزن کے دل فریب نعروں کے پردے میں مغرب کی بے حیائی اور فحاشی اور ان کی تہذیب وثقافت کو مسلم ممالک میں زبردستی مسلط کر دیا جائے۔

عورتوں کو 50% تک حکمرانی میں شمولیت، نکاح رجسٹرار بن جانا، ملازمتوں میں مردوں کو پیچھے چھوڑ دینا، افواج میں شامل ہو جانا، بچوں کی پیدایش سے فارغ کرا دینا، کیا آزادی کی ان تحریکوں نے عورتوں کے مسائل حل کر دیے ہیں۔ان نام

۴۵۔ ثریا بتول علوی، خواتین کمیشن رپورٹ کا جائزہ، ص۹، منشورات، لاہور

نہاد کوششوں سے کیا حاصل ہوا؟

ہمیں چاہیے کہ ہم توجہ کریں کہ مذکورہ محاذوں میں سے کون سا محاذ ہے جس میں عورت کا عمل دخل نہیں ہے۔ گاڑی کا یہ دوسرا پہیہ تو ہر جگہ، ہر لمحہ برابر شریک سفر ہے اور یوں ہر لمحہ چیلنج اس کا مقدر ہے۔ جب ہم شعور کے ساتھ چیلنج سمجھ لیتے ہیں تو فطری طور پر یہ سوال سامنے آ کھڑا ہوتا ہے کہ محض ڈاکٹر کی تشخیص جس طرح بے کار رہتی ہے اگر اس کے مطابق پرہیز و علاج سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ لہٰذا اسی طرح چیلنج کی تشخیص کے بعد پرہیز اور علاج ہی ہونا ضروری ہے۔[۴۶]

مرد وعورت کے خالق نے اپنی مخلوق کے دائمی طور پر پرہیز کے لیے ایک مکمل ومدلل تحریری ضابطہ حیات بصورت قرآن حکیم اور اس پرہیز و علاج کی عملی تشریح تنفیذ کے لیے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانیت کو نوازا اور انتہائی بگڑے ہوئے عرب معاشرے کی اصلاح اور خلافت راشدہ کے ادوار میں اس کا بلند مقام کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے۔

آج بھی آفاقی پیغام عہد حاضر کے چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے میں مددگار ہے تو آنے والے کل میں ہی موثر ہوگا کہ اس نظام کا خالق زندہ جاوید، خالق کائنات ہے۔ جسے مخلوق کی ہر دور کی احتیاجات سے مکمل آگاہی ہے۔ لہٰذا آج بھی قرآن وسنت پر عمل پر ہی انسانیت خاندان اور عورت کی نجات مضمر ہے۔

حدود آرڈیننس کے خلاف سازشیں

ملک میں خواتین کے حقوق کے لیے ہر طرف باتیں ہو رہی ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کی وجہ سے خواتین کے حقوق بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے جب صرف تعزیرات پاکستان 1860ء کا قانون رائج تھا تو خواتین کو اطمینان حاصل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان دراصل انگریز کے دور کے اولین نافذ کردہ قوانین میں سے ایک تھا۔ اس کا نام تعزیرات ہند 1860ء (Indian Penal Code.1860) تھا۔ پاکستان بننے کے بعد یہ قانون من وعن لیکن نام کی تبدیلی کے ساتھ یعنی تعزیرات پاکستان 1860ء (Pakistan Penal Code.1860) نافذ کیا گیا۔ اس کی کل 511 دفعات اور 25 ابواب ہیں (نمبر کے لحاظ سے 22 ہیں لیکن تین اضافی ابواب XVI-A, IX-A,V.A ابواب بنتے ہیں۔

انگریز سامراج نے 1842ء میں سندھ کو فتح کیا (سندھ علیحدہ ملک وحکومت ہونے کی وجہ سے سلطنت دلی/مغلیہ کا حصہ نہ تھا)۔ نیز 1857ء کی جنگ آزادی کے خاتمہ کے بعد پورے برصغیر ہندو پاک پر انگریز سامراج نے غاصبانہ قبضہ کر کے ہمیں غلام بنا کر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ صرف دو سالوں کے بعد اسلامی قوانین اور نظام عدل وعدالت کو ختم کر کے تعزیرات ہند 1860ء کا قانون نافذ کیا۔ حالانکہ اس وقت اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ صدیوں سے عوام کو اس نظام سے انصاف مل رہا تھا لیکن اسلام دشمنی کی بنیاد پر انگریزی نظام مسلط کیا گیا جس سے انصاف ملنا مشکل، مہنگا اور طویل المدت ہوگیا۔ اب تو ہر آدمی کہتا ہے کہ ''اس انگریزی نظام عدالت و قانون سے انصاف نہیں مل سکتا۔'' وہ اس سے تنگ اور مایوس ہے۔

تعزیرات پاکستان 2006ء کو اچھا کہنا مغرب نوازی اور عوامی نا انصافی ہے۔ تعزیرات پاکستان میں سے تقریباً

۴۶۔ ثریا بتول علوی، خواتین کمیشن رپورٹ کا جائزہ، ص ۴، ۵، منشورات، لاہور

8 دفعات یعنی 366، 367، 372، 373، 375، 493، 497 اور 498 کو ختم کر کے جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء میں شامل کیا گیا۔ ان میں سے دفعہ 367 میں بیان کردہ جرائم میں سے صرف ایک ''غیر فطری شہوت'' کے جرم کو حدود آرڈیننس میں لیا کیونکہ وہ زنا سے متعلق ہے۔ باقی پورے کا پورا تعزیرات پاکستان 1860ء کا حصہ ہے۔ دفعات 366، 367 اور 493 کی سزاؤں میں اضافہ کیا گیا ہے تا کہ خواتین کو دھوکہ یا اغوا برائے زنا کے مجرمین کو سخت سزائیں دے کر ان کی عزت وعصمت کو محفوظ بنایا جائے۔ باقی 4 دفعات میں جرم زنا سے متعلق سقم اور غلطیاں پائی جاتی تھیں ان کو دور کر کے خواتین کے حقوق کی پامالی کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ قوانین قرآن وسنت، دستور پاکستان اور عوام کے عقیدہ وایمان کے مطابق ہوگئے ہیں۔ ان تمام تفصیلات کو آخر میں دیے گئے ''حدود آرڈی ننس 1979ء اور تعزیرات پاکستان کا تقابلی جائزہ'' کے چارٹ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

چارٹ کے مطالعہ سے بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ جرم زنا کے تمام پہلوؤں پر جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کے ذریعہ کیے گئے قانونی اصلاحات خواتین کے حقوق اور ہمارے معاشرہ وتہذیب کے لیے بہت مفید ہیں۔ انگریز کی تہذیب وافکار میں ''زنا'' جرم نہیں ہے بلکہ ''زنا'' بغیر مرضی یا تشدد یا اغوا یا غیر فطری طریقہ وغیرہ کی وجہ سے جرم بنتا ہے یا پھر شوہر کی مرضی کے بغیر اس کی بیوی کے ساتھ زنا اس وجہ سے جرم بنتا ہے کہ شوہر کی رضا نہ ہونے سے اس کے حق زوجیت میں مداخلت ہوئی جو کہ جرم ہے۔ لہٰذا اصلی تعزیرات ہند 1860ء اور بعد میں تعزیرات پاکستان 1860ء کا قانون انگریزی یا مغربی تہذیب وافکار کے مطابق تھا۔ اب اس کو پاکستانی معاشرہ وتہذیب اور دستور کے تقاضوں کے مطابق جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کی شکل میں قرآن وسنت سے ہم آہنگ کر کے نافذ کیا گیا ہے کیونکہ ہمارے یہاں تو ''زنا'' بذات خود جرم ہے اور اس کی تمام شکلیں اور وجوہات روکنا اللہ اور اس کے بندوں کی منشاء بلکہ تقاضا ہے۔

حکومتی حلقوں کی جانب سے کہا جا رہا ہے کہ حدود آرڈیننس کی دفعہ 11 تا 18 (چارٹ میں بیان کردہ) کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں شامل کیا جا رہا ہے۔ بعض اخبارات کی خبر کے مطابق حدود آرڈیننس کی تعزیرات کی سزاؤں والے دفعات کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں شامل کیا جا رہا ہے۔ وہ دفعات بھی تقریباً یہ ہی ہیں:

حد اور تعزیر اسلامی نظام عدل کی بنیاد ہیں۔ ''حد'' وہ سزا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے لیکن تعزیر وہ سزا ہے جو کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس وقت نافذ ہوگی جب شہادتوں یا ثبوت کے ناقص ہونے کی وجہ سے حد نافذ نہ ہوسکتی ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں واضح طور پر ''زنا'' کو تمام اقسام اور پہلوؤں سمیت جرم قرار دیا ہے اور اسے جرائم میں سے سنگین بتایا گیا ہے۔ اس کی سزا بھی سنگین تجویز کی گئی ہے، یعنی شادی شدہ کے لیے سنگساری کی سزا اور غیر شادی شدہ کے لیے 100 کوڑوں کی عوام کے درمیان سنگین سزا کا حکم دیا ہے۔ عدل الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کم ازکم چار مرد عاقل بالغ اور عادل آنکھوں دیکھے ہوئے گواہوں کی ضرورت بیان کی گئی ہے تا کہ مذکورہ سزا کا غلط استعمال نہ ہوسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کا معجزہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی مطابق پندرھویں صدی ہجری کے اواخر میں .....ہمارے مادہ پرست معاشرہ میں حدود آرڈیننس کو نافذ

نہیں کیا گیا۔ اب اکیسویں صدی مطابق پندرھویں صدی ہجری شروع ہوچکی ہے۔ یعنی جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء کو نافذ ہوئے 26 برس گزر چکے ہیں لیکن اللہ کے فضل سے اس ربع صدی سے زیادہ گزرنے والی مدت میں ''حد'' کی سزا کا ایک مرتبہ بھی غلط استعمال نہیں ہوا۔ **وللّٰہ الحمد۔**

اب اگر مطلوبہ شہادت وثبوت نہ مل سکیں یا دستیاب شہادت وثبوت ناقص ہوں تو پھر اللہ ورسولؐ کے بیان کردہ جرم زنا کے مجرموں کو سزا نہ ملنا عدل الٰہی کے خلاف ہے۔ اس لیے اللہ ورسولؐ کے قانون عدل میں تعزیر بیان کی گئی ہے کیونکہ ''جرم'' تو ہوا اس لیے سزا دستیاب قرائن اور شہادت وثبوت کی بنیاد پر دی جائے گی۔ اب یہ بات واضح ہوگئی کہ جس طرح حد اسلامی سزا ہے اسی طرح تعزیر بھی اسلامی سزا ہے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حد اور تعزیر جڑواں ہیں یا یہ کہ حد اور تعزیر کا چولی دامن کا ساتھ ہے یا حد اور تعزیر اسلامی نظام عدل کا اٹوٹ حصہ ہیں جن کو علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس ایک جان دو قالب کو جدا جدا کرنا نہ اللہ اور اس رسولؐ کی منشاء ہے اور نہ ہی قرآن وسنت میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے دور بابرکت سے لیکر انگریز سامراج کے غلبہ تک دنیائے اسلام میں حد اور تعزیر کی سزائیں ساتھ ساتھ رہی ہیں۔ دنیائے اسلام متحد تھی یا ٹکڑوں میں بٹی، کسی بھی مسلک یا فرقہ کا غلبہ رہا، حکمران فاسق فاجر رہے لیکن زنا کے جرم سمیت تمام جرائم کی حد اور تعزیر علیحدہ نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ یزید کے دور میں اور اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کے دور میں بھی حد اور تعزیر والے قرآن وسنت کے قوانین پر عمل ہوتا رہا اور ان میں تفریق پیدا نہ کی گئی۔

حکومتی تجاویز کے مطابق حد اور تعزیر کو علیحدہ کرنے کے لیے جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء سے دفعات 11 تا 18 یا بعض دیگر دفعات اگر خارج کردیے جاتے ہیں اور ان کو تعزیرات پاکستان 1860ء میں شامل کردیا جائے تو ان کے نتائج حسب ذیل ہوسکتے ہیں۔

(الف) اس وقت جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء ایک مکمل پیکیج کی صورت میں موجود ہے جو کہ زنا کی تمام اقسام اور پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے لہٰذا عین قرآن وسنت کے مطابق جرم زنا کا یہ ایک جامع ومکمل آرڈیننس ہے۔ گزشتہ 26 سالوں سے تمام مسلکوں کا متفق علیہ قانون ہے۔ حدود اللہ کے مطابق بنائے گئے حدود آرڈیننس کو چھیڑنا یا حصے بخرے کرنا یا اس کا کچھ حصہ نکالنا قرآن وسنت کے ساتھ دست درازی ہے۔

(ب) حدود آرڈیننس بروز جمعۃ المبارک ۱۲/ربیع اول ۱۳۹۹ھ مطابق 10 فروری 1979ء نافذ ہوا۔ 1985ء کی منتخب پارلیمنٹ نے اسے قبول کرکے تحفظ فراہم کیا۔ 1988، 1990، 1993ء اور 1997ء کے انتخابات کے بعد وجود میں آنے والی پارلیمنٹ نے اپنے ادوار میں اسے جوں کا توں برقرار رکھا۔ حالانکہ حکومتیں مختلف پارٹیوں کی بنتی رہیں، اتحادی بدلتے رہے لیکن حدود آرڈیننس نہیں بدلا۔ یہ حدود آرڈیننس پر قوم یکسوئی اور جمہوری پارلیمانی اعتماد کا مظہر ہے۔ ملک میں اس کی تبدیلی کا کوئی عوامی مطالبہ موجود نہیں ہے۔ محض چند این جی اوز یا سرکاری اداروں کی رپورٹوں پر حدود آرڈیننس کو تبدیل کرنا نہ صرف غیر جمہوری اور غیر پارلیمانی ہے بلکہ ایسا کرنا قومی اور عوامی مفادات کے بھی خلاف ہے۔

(ج) دستور پاکستان میں درج کئی دفعات کے مطابق تمام قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنانا حکمرانوں کا فرض ہے۔ ایسے اقدامات کرنا حکمرانوں کے لیے لازم ہیں جن سے قوم قرآن وسنت کے مطابق انفرادی واجتماعی زندگی گزار سکے۔ لہٰذا حدود آرڈیننس کی منسوخی یا اس میں کسی قسم کی ترمیم وتبدیلی یا اس کے دفعات کی منتقلی غیر دستوری ہے۔

(د) جرم زنا سے متعلق حدود آرڈیننس اور تعزیرات پاکستان کے سابقہ دفعات کا تقابلی جائزہ چارٹ دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ سزاؤں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ تعزیرات پاکستان کی سابقہ دفعات میں زنا کے لیے راستہ ہموار کرنے والی چیزوں (مثلاً 372) کو ختم کر دیا گیا ہے اور زنا کے جرم کو قرآن وسنت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ نیز حد اور تعزیر کی سزائیں قرآن وسنت کے مطابق تفصیلات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ 26 سالوں میں اعلیٰ عدالتوں نے کئی مقدمات میں پیش آنے والے الجھے ہوئے مسائل کو حل کر کے اور ان کی پیچیدگیوں کو سلجھا کر حدود قوانین کو رائج نظام عدالت سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حدود قوانین اس وقت ایک مکمل، جامع اور Developed قوانین ہیں جن پر عمل ہو رہا ہے۔ اب ان کو منسوخ کرنے یا تبدیل وترمیم کرنے یا منتقل کرنے سے نئے مسائل جنم لیں گے اور ان قانونی پیچیدگیوں کو حل کرنے کے لیے بھی ربع صدی درکار ہے۔ لہٰذا حکومتی تجاویز خواتین کے لیے بالخصوص اور عام آدمی کے لیے بالعموم مشکلات وتکالیف کا باعث ہوں گی۔

(ہ) حدود آرڈیننس سے چند دفعات کو خارج کر کے تعزیرات پاکستان میں داخل کرنے سے سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہوگا کہ جب ''حد'' نافذ نہیں ہوگی تو تعزیر کی سزا نہیں مل سکے گی کیونکہ وہ علیحدہ قانون ہوگا۔ اس کے لیے علیحدہ FIR اور مقدمہ درج ہوگا۔ جس طرح ہم جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء اور جرم قذف (نفاذ حد) آرڈیننس 1979ء کا مسئلہ ہے کہ دو علیحدہ قوانین ہونے کی وجہ سے مظلوم خواتین پریشان ہیں۔ اس لیے حدود آرڈیننس سے متعلق حکومتی تجاویز پر مظلوموں کے لیے انصاف کے دروازے بند کرنے کے مترادف ہے۔

(و) مجوزہ حکومتی دفعات کی تبدیلی کی کوئی معقول وجہ بھی نظر نہیں آرہی ہے جس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حکمرانوں نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے جو کہ کسی حکمران کے لیے مناسب نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آقاؤں کی فرمایش پوری کر کے اپنے اقتدار کو طول دی جائے۔ اس طرح دنیاوی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے حقیقی آقا اللہ رب العالمین کو ناراض کرنا اور اس کے محبوب رحمۃ للعالمین کی شریعت کے قوانین کے راستے میں روڑے اٹکانے سے نہ دنیا بنے گی اور نہ آخرت بنے گی۔ تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جدیدیت اور روشن خیالی کو غالب کیا جائے۔ اس مغرب نوازی، جدیدیت اور روشن خیالی سے ترکی کو کیا ملا ہے؟ یورپی یونین کی رکنیت، یوروکرنسی میں حصہ، یورپین مارکیٹ تک رسائی، یورپی پارلیمنٹ میں ممبری وغیرہ سمیت کچھ بھی نہیں ملا ہے۔ نہ اقتصادی ترقی ہوئی اور نہ ہی اسے کوئی جمہوری ملک تصور کیا جاتا ہے۔ تازہ ترین مثال لبنان کی ہے۔ وہاں نہ حدود آرڈیننس ہے اور نہ ہی دیگر اسلامی قوانین بلکہ مغربی تہذیب، جدیدیت اور روشن خیالی کا غلبہ ہے لیکن اس کے باوجود اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر کے بین الاقوامی جرم کا ارتکاب کیا، معصوم جانیں ضائع ہوئیں لیکن افسوس کہ

امریکہ، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک نے اسرائیل کی مذمت کرنے سے انکار کیا اور یو این او تماشائی یا یرغمال ادارہ بنا رہا۔ اس صورت حال میں ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر حدود آرڈیننس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے کیا حاصل کریں گے؟ نہ ادھر کے رہیں گے نہ ادھر کے رہیں گے۔

(ز) ان تجاویز کے لیے کہا جارہا ہے کہ حدود آرڈیننس کو قرآن وسنت کی روح کے مطابق بنایا جارہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ دفعہ 11 تا 18 میں کونسی چیز اسلام کی روح کے خلاف ہے؟ اب تک تو عوام اور ارکان پارلیمنٹ بے خبر ہیں۔ اب بتایا جائے کہ حدود آرڈیننس سے تعزیر کے دفعات نکال کر تعزیرات پاکستان میں داخل کرنا کس طرح اسلام کی روح کے مطابق ہے؟ موجودہ صورت میں کونسی چیز اسلام کی روح کے منافی ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ''زنا'' ہر صورت اور ہر پہلو سے جرم تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟ اگر زنا کو جرم تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کے تمام راستے قرآن و سنت کے مطابق حدود آرڈیننس نے بند کر کے رکھ دیے ہیں۔ مظلوم کو انصاف کے لیے راستہ فراہم کیا ہے اور یہ مجرموں کو منطقی انجام تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لیکن اگر ''زنا'' کے لیے رعایت حاصل کرنی ہے یا راستہ ہموار کرنا ہے یا رکاوٹیں دور کرنی ہیں تو خدارا ''اسلام کی روح'' کی پاک اصطلاح کا استعمال ترک کر کے اپنی مدعا کسی اور الفاظ میں صاف صاف بیان کی جائے۔

(ح) حدود آرڈیننس سے تعزیر کی دفعات کو نکال کر تعزیرات پاکستان میں شامل کرنے کے بعد کیا ضمانت ہے کہ ان میں درج قرآن وسنت کے مطابق موجودہ سزاؤں اور معیار گواہی وغیرہ کو تبدیل نہیں کیا جائے گا؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان ان دفعات کو سنت کے مطابق مانتی ہے، اس کے اسلامی ہونے کا تاثر اور اس کی وجہ سے تقدس ان میں موجود ہے، لہٰذا اس میں معمولی تغیر وترمیم پر وہ اپنے شدید ردعمل کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن جب مذکورہ دفعات تعزیرات (Pakistan Penal Code,1860) میں شامل کیے جائیں گے اور میڈیا یہ بتائے گی کہ تعزیرات پاکستان میں تبدیلی ہو رہی ہے تو عام آدمی کو یہ سمجھنا مشکل ہوجائے گا کہ ترامیم یا قانونی تغیر اسلامی ہیں؟ اس طرح ''زنا'' کے قوانین تبدیل ہوتے رہیں گے، ''زنا'' کے لیے راہ ہموار ہوتی رہے گی؟ مغربی تہذیب کا غلبہ بڑھتا رہے گا اور عوام بے بسی اور بیچارگی سے دیکھتے رہیں گے۔ کیا یہ صورت حال کسی طرح اسلام یا مسلمانوں یا پاکستان کے حق میں ہے؟

(ط) حدود آرڈیننس میں مجوزہ ترامیم کئی مراحل اور حالات سے گزر کر اس صورت میں آئی ہیں۔ پہلے مرحلہ میں حدود آرڈیننس میں تنسیخ وترمیم کے لیے مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ پیش کردی نجی بل تین مرتبہ قومی اسمبلی نے مسترد کردیے ہیں۔ دوسرے مرحلہ میں حکومت کی طرف سے پہلے تنسیخ کی بات آئی پھر قرآن وسنت کے بیان کردہ شہادت وثبوت اور طریقہ کار میں تبدیلی کی بات آئی لیکن مسلمانوں کے جذبات کی شدت دیکھ کر اب دفعہ 11 تا 18 تعزیر کے دفعات کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں ڈالنے کی بات کی گئی ہے۔ یعنی یہ آخری حربہ ہے جو کہ بے ضرر بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔ قربان جائیں اس سادگی پر کہ آخر یہ تکلیف یا تکلف کیوں

کیا جارہا ہے ؟صرف اس لیے کہ ''میٹھا بولو اور اپنا مقصد پورا کرو'' حقیقت میں یہ ترمیم دین و ایمان کے لیے Sugar-coated زہر ہے۔ اس کو سمجھنا اور سمجھانا ہر اہل ایمان کا فرض ہے اور سوچنا چاہیے کہ کہیں میں دانستہ یا نا دانستہ اس کا ساتھ تو نہیں دے رہا ہوں ؟

(ی) حدود آرڈیننس اسلامی قانون کے طور پر پہچانا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔ مغرب کے ایجنڈا میں اسلامی شعائر کو مٹانا اور ہٹانا سرفہرست ہے۔ ملک میں نصاب تعلیم کی تبدیلی سرکاری سکولوں میں یونیفارم کی تبدیلی، اعلیٰ عدالتوں کے جج حضرات کا مسلمانوں والا شیروانی پر مشتمل ڈریس کی تبدیلی سے لے کر بے دینی پر مبنی تمام اقدامات اس ایجنڈے کا حصہ ہیں۔ جب جج حضرات کا مسلمانوں والا لباس قابل قبول نہیں ہے تو پھر حدود آرڈیننس کیسے قبول ہوگا؟ حدود آرڈیننس میں جو بھی تبدیلی آئے گی اس کے جزئیات میں کوئی نہیں جاتا۔ پوری دنیا کے میڈیا سے یہ نشر ہوگا کہ پاکستان کی پارلیمنٹ نے حدود قوانین یا اسلامی قوانین کو تبدیل کر دیا۔ دنیا بھر کا میڈیا مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے لہٰذا اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اسلام کے خلاف خوب پروپیگنڈا ہوگا کہ اسلام کے لیے بننے والے ملک پاکستان میں اسلام نہیں چل سکا تو دوسری جگہ کیسے چلے گا؟ آپ تصور کریں کہ انڈونیشیا، ملائیشیا، وسط ایشیا، مشرق بعید، افریقی و دیگر مسلم ممالک میں مسلمانوں پر کیا گزرے گی ؟ یورپ، امریکہ، بھارت اور اسرائیل میں رہنے والے اقلیتی مسلمانوں کے جذبات کیا ہوں گے؟ یہ خبر تو اہل ایمان کے لیے بجلی بن کر گرے گی لیکن غیروں کے لیے نہایت خوشی کی خبر ہوگی۔ ایسی صورت حال میں کیا ہمیں یہ ترامیم کرنی چاہئیں۔''[۴۷]

تحفظ حقوق نسواں بل

قومی اسمبلی میں تحفظ نسواں کا بل ابتدائی طور پر میرا ہی پیش کردہ تھا مگر حکومت نے میرے بل کے نام پر تو قبضہ کرلیا اور مندرجات میں حدود اللہ پر تیشہ چلا دیا۔ اس پر ہم نے اپنے ویمن اینڈ فیملی کمیشن کے پلیٹ فارم پر تحفظ حقوق نسواں بل کے موضوع پر مختلف دینی، سماجی اور سیاسی تنظیموں کی خواتین کو ایک فورم پر اکٹھا کیا اور اظہار خیال کا موقع فراہم کیا۔

اس بل کی مخالفت کا آغاز پارلیمنٹ میں ایم ایم اے کی جانب سے ہی ہوا تھا۔ ہم نے روز اول ہی سے جنرل مشرف کی سیکولر ذہنیت کی کھل کر مذمت کی ہے، جب انہوں نے اتاترک کو اپنا رول ماڈل قرار دیا تھا اور کتوں کے ساتھ اپنی تصاویر شائع کروائی تھیں۔ یہ تحفظ نسواں بل نہیں، درحقیقت تحفظ عصیاں بل ہے اور ہمارے خاندانی نظام پر کاری ضرب لگانے کی کوشش ہے۔ اس سلسلے میں ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام تحفظ نسواں فورم کے نام سے نومبر ۲۰۰۶ء میں منعقدہ فورم کے شرکا نے حکومت کے تحفظ حقوق نسواں بل پر جن الفاظ میں اظہار خیال کیا اس سے مذکورہ بل کی حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ہم ذیل میں ان تقریروں کے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

غزالہ سعد رفیق (نمایندہ مسلم لیگ ن): اگر ہمارا نظام تعلیم اول روز سے اسلامی خطوط پر استوار ہوتا تو آج یہ حکمران پیدا ہی نہ ہوتے جنہوں نے اللہ کے قانون میں تبدیلی کی جسارت کی۔ یہ خدا سے بے خوف ہو کر امریکہ کے

۴۷۔ سمیحہ راحیل قاضی، رپورٹ حدود آرڈیننس حقائق ومضمرات، چوہدری محمد اسلم سلیمی، ص ۴۸

ایجنڈے کو آگے بڑھانے کا وسیلہ بن رہے ہیں۔ اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ ٹی وی چینلز پر کھلی بحث کے ذریعے عوام الناس کو اصل حقیقت بتائی جائے کہ حقوق نسواں کے پردے میں ہم کس سازش کا شکار ہو رہے ہیں۔

رضیہ مدنی (پرنسپل اسلامک ویلفیئر ٹرسٹ): یہ دراصل تحفظ زنا بل ہے۔ جس میں زنا بالرضا پر زیادہ سے زیادہ سزا 5 سال قید رکھی گئی ہے جبکہ مبادیات زنا اور اقدام زنا کوئی جرم نہیں رہے حالانکہ اس ملک میں مبادیات قتل جرم میں شامل ہے۔ زنا اور زنا بالجبر کے مقدمات کو ناقابل دست اندازی پولیس بنادیا گیا ہے۔ گویا اب ہمارے ہاں پتنگ اڑانا تو قابل دست اندازی پولیس ہے، مگر عورت کو ہراساں کرنا، تنگ کرنا، فحش حرکت کرنا، بری نیت سے روک لینا یا اس کے ساتھ زبردستی تک کر جانا..... ایسے تمام معاملات میں پولیس بے بسی سے تماشہ دیکھتی رہے گی اور مجرم کو کچھ نہ کہہ سکے گی۔ زنا بالجبر کا کیس درج کرانے کے لیے پروسیجر اتنا مشکل اور لمبا بنادیا گیا ہے کہ کیس درج کرانا عملاً ممکن ہی نہیں رہا۔ زنا بالرضا کے سلسلے میں پولیس کوئی مقدمہ درج نہیں کرسکتی۔ البتہ اگر کسی کو زیادہ ہی تکلیف ہو رہی ہے یا اس کا ایمان جوش مارتا ہے تو وہ دو گواہ ساتھ لے، دو سو میل کا سفر کرکے خود سیشن کورٹ میں جائے، وکیل کرے، جج کے سامنے سارا معاملہ رکھے، جج کا اطمینان ہوگا تو وہ مقدمہ درج کرے گا، ورنہ فوراً اسے قذف میں الٹا دھر لے گا۔ اب اس صورت میں کس کو پڑی ہے کہ وہ ایسی شکایات پر محلے کے بدنام عناصر کے خلاف کیس درج کروانے کی مصیبت مول لے۔ اس بل کی دفعہ 375 بے حد خطرناک مضمرات رکھتی ہے جو کہ ازدواجی زنا بالجبر پر مشتمل ہے۔ اس کے ذریعے سے وہ شوہر کا حق بیوی پر سے ختم کر رہے ہیں اور نامحرموں سے تعلق کو جائز کیا جا رہا ہے۔ یہ دفعہ تو گھروں کو میدان جنگ بنانے اور شادیاں ختم کرنے کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دے گی۔

ڈاکٹر امت اللہ زریں (پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن): ہم لوگوں نے اس بل کے مسودے کو طبی ماہر کے طور پر پڑھ کر تجزیہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کے ذریعے زیادتی کی شکار خاتون کے لیے انصاف حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔ ایسے میڈیکولیگل کیسز میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر طبی معائنہ ضروری ہوتا ہے جبکہ موجودہ پروسیجر میں ایسا نہیں ہوسکے گا۔ جب شہادتیں ہی ختم ہوجائیں گی تو عورت ظلم کیسے ثابت کرے گی۔

نگہت منصور (صدر تنظیم اساتذہ، خواتین پاکستان): ہم بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ حقوق نسواں ایکٹ کے ذریعے کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہمیں اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اگر ہم اس روش پر احتجاج نہیں کریں گے تو اس سے بھی آگے قدم اٹھائے جائیں گے۔ میں نے اس بل کے بارے میں ایک ڈرائیور اور کنڈیکر کی گفتگو سنی تو شرم کے مارے زمین میں گڑ گئی۔ ایک پوچھ رہا تھا: یہ بل کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: بس سمجھ لو کہ کھلی چھٹی!

نبیرہ عندلیب (پرنسپل دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور پوتیمفتی محمد حسین نعیمیؒ): میں اس ایکٹ کے متوقع نتائج آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں جو ہماری دیہاتی اور شہری عورتوں پر مرتب ہوں گے:

☆۔ پہلی بات یہ کہ یہ فروغ فحاشی بل ہے اس کے ذریعے ماورائے عدالت قتل و جرائم اور قتل غیرت و کاروکاری کو فروغ

ملے گا کیونکہ یہ بل ہمارے مجموعی کلچر اور اقدار و روایات کے خلاف ہے۔

☆۔ قحبہ خانوں اور انفرادی جنسی بے راہروی کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوگی۔ زنا کاری باقاعدہ ایک صنعت بن جائے گی۔ پھر سیکس لیبر انڈسٹری میں انجمنیں بنیں گی اور مغرب کی طرح ان کے حقوق کا مطالبہ ہوگا۔

☆۔ اسقاط حمل کی شرح میں اضافہ ہوگا۔ ناجائز بچوں کی تعداد میں جو ابھی تک معاشرے میں نہ ہونے کے برابر ہے، خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

☆۔ راہ چلتی خواتین کو جنسی و اخلاقی طور پر ہراساں کرنے کے واقعات بڑھ جائیں گے۔

☆۔ 16 سال سے کم عمر بچی کو چھوٹ دے دینے سے مغرب کی طرح سکول کی بچیاں حاملہ ہونے لگیں گی۔

☆۔ Martial rape کا قانون گھر کی بنیادیں ہلا دے گا۔

عورت کو حقیقی تحفظ دینے کے لیے اصل ضرورت اس بات کی تھی کہ جبراً شادی اور اکٹھی تین طلاقیں دینے کے خلاف قانون سازی کی جاتی۔

عابدہ جاوید (مسلم لیگ (ن) سے ممبر صوبائی اسمبلی): حدود اللہ کو پامال کرنے والوں کے لیے شریعت میں کوئی معافی نہیں۔ اگر حدود آرڈی ننس کے نفاذ میں کوئی خامیاں تھیں تو جید علماء کے مشورے سے ان کو دور کرلیا جاتا۔ ہر معاشرے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جن کے مطابق لوگ خود کو آرام دہ اور محفوظ تصور کرتے ہیں۔ کیا ہمیں زیب دیتا ہے کہ ہم اپنے ملک میں فحاشی کی قانونی سرپرستی دیکھیں اور خاموش رہیں؟

فرح ناز (منہاج القرآن ویمن لیگ): ہمارا دل دکھتا ہے کہ آج اسلام اپنے دیس میں پردیسی ہو رہا ہے۔ خواتین اپنے حقوق کے نام پر کسی بھی چیز کے پیچھے اندھا دھند لگ جاتی ہیں، مگر آرام سے بیٹھ کر تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ خواتین کے حقوق کے نام پر کیسا فراڈ کیا گیا ہے۔ جنرل صاحب اس بل کے نام پر خواتین سے ووٹ لینے کے لیے اتنی بھاگ دوڑ کررہے ہیں۔ پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کسی مسئلے پر عوام کو اتنا زیادہ ایجوکیٹ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ بڑے شہروں پر حکومتی سطح پر سیمینارز اور فورم منعقد ہو رہے ہیں، ٹی وی چینلز پر شور مچا دیا گیا ہے۔ اتنا پیسہ اور محنت خواتین کے حقیقی مسائل کے لیے خرچ کرتے تو کوئی اچھے نتائج نکل آتے۔ یہ تو حقیقت میں پامالی نسواں بل ہے۔

مسز انجم رفیع (پرنسپل اسلامک ہیری ٹیج سکول سسٹم): آج جبکہ مسلمانوں کے دین اور ایمان کو ہر سطح پر چیلنج کر دیا گیا، تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بچوں میں اپنے دین کا شعور پیدا کریں تاکہ وہ غیر اسلامی رجحانات کی مزاحمت کرسکیں۔ انہیں اپنے مسلمان ہونے پر معذرت نہیں بلکہ فخر ہو اور مغرب کو No کہنا سیکھیں۔

نصبہ خضر مسلم (لیگ ن): آخر ان عورتوں کو کونسا تحفظ چاہیے تھا جس کے لیے یہ بل پاس کیا گیا ہے۔ ہم اپنے گھروں میں شہزادیوں کی طرح رہتی ہیں۔ ہمارے شوہر ہماری سب ضروریات پوری کرتے ہیں، ہمارا خیال رکھتے ہیں، ہمیں کسی چیز کی کمی ہے؟ ہمیں مغرب کی طرز پر فری سیکس معاشرہ نہیں چاہیے، ہم اپنی معاشرت کے ساتھ خوش اور مطمئن ہیں۔ ہمارا دین تو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کو ناراض کرکے سوئے اس پر ساری رات فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

مغرب کی عورت کا حال دیکھئے جو ہورڈنگز پر گوشت کی طرح لٹکی ہوتی ہے، کیا ایسا تحفظ ہمیں بھی درکار ہے؟

ام صباسو (شل ورکر): آج قرآن میں درج حدود اللہ کو منسوخ کیا گیا ہے یہ نہایت دکھ کا مقام ہے۔ قرآن تو اس کائنات کی سب سے سچی اور اٹل حقیقت ہے اور اس کے قوانین سے زیادہ نوع انسانی کی بھلائی کسی میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج آکسفورڈ یونیورسٹی میں یہودی قرآن پڑھتے اور پڑھاتے ہیں کیونکہ ان کو اس میں سچائی اور علم کے خزانے نظر آتے ہیں۔ سیکولر تعلیم انسان کو باہر سے بدلتی ہے جبکہ قرآن اندر سے بدل کر رکھ دیتا ہے۔

رابعہ اشرف (ناظمہ اسلامی جمعیت طالبات، صوبہ پنجاب): حدود آرڈیننس کو ختم کرنے کے لیے این جی اوز نے ستائیس سال کام کیا ہے۔ ہم بھی ان شاء اللہ اس وقت تک بھرپور جدوجہد کرتے رہیں گے جب تک ہم دوبارہ ان قوانین کو فعال نہ کروالیں۔

ڈاکٹر کوثر فردوس (سینیٹر): پاکستان میں حدود اللہ کی منسوخی زمین پر خدا کے قانون کے مقابلے میں نیو ورلڈ آرڈر مسلط کرنے کے عالمی پروگرام کا حصہ ہے۔ یہ CEDAW بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن، بیجنگ پلس فائیو اور ملینیم ڈیولپمنٹ گولز ہی کا تسلسل ہے۔ وہ ہمارے بارے میں دنیا کو یہ بتاتے ہیں کہ ہم پر اسلام نے بڑا جبر کر رکھا ہے، ہمیں آزادی کی ضرورت ہے۔ ان کو ہماری جانب سے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ہم کس قدر محفوظ ہیں، اصل میں ظلم کا شکار ان کے اپنے معاشرے کی عورت ہے۔ اس عالمی ایجنڈے کو پاکستان پر مسلط کرنے کے لیے انہوں نے ہمارے حکمرانوں کو استعمال کیا ہے۔ جو ملک کے ساتھ جتنا غدار تھا، اتنا ہی وہ اپنے حصے کا کام کر کے گیا ہے۔ اس حدود آرڈیننس کو جو علماء کی متفقہ رائے سے بنایا گیا ہے، چھیڑنے کی جرأت تو منتخب حکومتوں نے بھی نہیں کی تھی۔ اسی لیے اب انہوں نے یہ کام ایک آمر اور غیر منتخب حکومت سے کروایا ہے۔ یہ من حیث القوم ایک ایسا گناہ ہے، جس پر خود اس بل کو پاس کرنے والے بھی مضطرب ہیں۔

عائشہ منور (سابق ایم این اے، ایک سوال کے جواب میں): ہمارا بائیکاٹ اس اصولی بنیاد پر تھا کہ جس پارلیمنٹ کی عمارت کے باہر جلی حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے، اس کے اندر قرآن وسنت سے متصادم کوئی قانون پاس نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ہی ہمارا آئین اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہماری قومی اسمبلی کسی ایسے بل کو منظور کرے جو حدود اللہ کی منسوخی پر مشتمل ہو۔ اس لیے ہم اس غیر آئینی قانون سازی کے پورے عمل میں خود کو شامل کرنے کے خلاف تھے۔ لہٰذا ہم نے اس موقع پر اسمبلی سے واک آؤٹ کیا جو کہ احتجاج کا ایک جمہوری طریقہ ہے اور ہم کیا، خود حکومتی بنچوں کے چوالیس ارکان ووٹنگ میں موجود نہیں تھے۔[۴۸]

تحفظ خواتین بل، علمائے کرام کی نظر میں

قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے ہم نے علمائے کرام سے اس بل کے بارے میں رائے مانگی تھی۔ صدر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان محترم پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے علمائے کرام کی ایک نشست میں درج ذیل سفارشات پیش کیں۔[۴۹]

۴۸۔ تحفظ نسواں فورم: ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان، نومبر ۲۰۰۶ء

۴۹۔ علمائے کرام کی نشست، نومبر ۲۰۰۶ء

سفارشات

پاکستان کی قومی اسمبلی نے 15 نومبر 2006ء کو تحفظ خواتین کے نام سے جو بل منظور کیا ہے' وہ اپنے مقاصد' مابعد مرتب نے والے اثرات ونتائج اور متن کے اعتبار سے قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کے منافی ہے۔ چونکہ آئین پارلیمنٹ کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہو' لہٰذا یہ اصولی طور پر آئین کے بھی منافی ہے اور قرارداد مقاصد کے بھی منافی ہے' جسے آئین کا مؤثر حصہ قرار دیا جا چکا ہے۔

ہماری رائے میں جو امور قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کے منافی ہیں' وہ یہ ہیں۔

1۔ قرآن وسنت کی رُو سے زنا ایک سنگین جرم ہے' اس کا مفہوم ہر شخص کے ذہن میں واضح ہے لیکن قانونی تقاضوں کی تکمیل کے لیے اس کی باقاعدہ قانونی اور شرعی تعریف کر دی گئی ہے اور یہ جرم اگر شرعی معیار، یعنی چار عینی گواہ یا مجرم کا قرار واعتراف جرم، کے مطابق ثابت ہو جائے تو ''موجب حد'' ہے اور اس پر حد شرعی نافذ ہوگی جو غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ۵۰

''زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر (حقیقت میں) ایمان لاتے ہو تو تمہیں اللہ کے دین کی خاطر ان دونوں پر (حد شرعی نافذ کرنے میں) کسی نرمی ورعایت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔''

شادی شدہ کے لیے اس فعل خبیث کی سزا رجم (سنگسار کرنا) ہے۔ رجم کی سزا سورۃ المائدہ کی آیت ۴۳ سے اشارۃ النص کے طور پر اور احادیث مبارکہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ رجم ۵۳ احادیث مرفوعہ' ۱۴ احادیث مرسلہ' ۱۴ آثار تابعین اور ۵ فتاویٰ تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے' جو حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے' چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مسلمان شادی شدہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' وہاں پر اس نے اعترافی بیان دیا کہ اس نے زنا کیا ہے' پھر اس نے چار بار اپنے اوپر اقرار جرم کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اسے رجم (سنگسار) کر دیا جائے۔''

ہم اختصار کے پیش نظر تمام احادیث مبارکہ درج نہیں کر رہے۔

اور اس حد کے بارے میں قرآن وسنت میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر (Rape) کی کوئی تقسیم نہیں ہے' بلکہ فرق صرف یہ ہوگا کہ زنا بالرضا میں فریقین پر حد جاری ہوگی اور زنا بالجبر کی صورت میں' وہ فریق جس کا مجبور کر دیا جانا پایہ ثبوت کو پہنچ جائے' اسے باعزت بری کر دیا جائے گا۔ لہٰذا جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ 'مزنیہ بالجبر (Raped Victim) کو بھی حدود

۵۰۔ النور ۲:۲۴

آرڈیننس کے تحت زنا کا مجرم گردانا جاتا تھا۔ یہ صریح بہتان اور کذب وافتراء ہے' حدود آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے البتہ جبر کو عدالت میں ثابت کرنا ہوگا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب زنا بالجبر کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے مزنیہ بالجبر (Raped Victim) کو باعزت بری کر دیا جامع الترمذی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ کے عہد میں ایک عورت نماز کے لیے گھر سے نکلی تو ایک آدمی نے اُسے پکڑ کر زبردستی زنا کر لیا اور بھاگ گیا اسی دوران مہاجرین کے کچھ لوگ وہاں آ گئے تو عورت نے ایک راہگیر کی طرف اشارہ کیا کہ اس نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دیا تو اصل مجرم کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں نے اس عورت سے زنا کیا ہے اور یہ آدمی بے قصور ہے چنانچہ آپؐ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دیا اور اس عورت سے کہا:

((إذهبي فقد غفر الله لک)) ۵۱

''تم جاؤ اللہ نے تمھیں معاف فرما دے۔''

یعنی یہاں آپ نے زبردستی زنا کرنے والے مرد کو تو رجم کرنے کا حکم دیا لیکن جس عورت سے زنا بالجبر ہوا تھا اسے کوئی سزا نہیں دی بلکہ دعا دے کر رُخصت فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا بالجبر میں مجبور فریق پر کسی قسم کی کوئی حد نہیں ہے۔ البتہ جبر کرنے والے کو کسی صورت معاف نہیں کیا جائے گا اور زنا بالجبر کرنے والے پر حد لگائی جائے گی۔

جبکہ قومی اسمبلی کے منظور کردہ 'تحفظِ خواتین بل' میں زنا بالجبر کو حد سے نکال کر تعزیرات پاکستان کے تحت محض ایک تعزیری جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ امر قومی اسمبلی میں پیش کردہ بل میں ایکٹ نمبر 45 'بابت 1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت کے تحت دفعہ نمبر 376 بعنوان 'زنا بالجبر کے لیے سزا' میں موجود ہے جو یہ ہے:

''جو کوئی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہے' اسے سزائے موت یا کسی ایک قسم کی سزائے قید' جو کم سے کم پانچ سال یا زیادہ سے زیادہ پچیس سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا''۔

مذکورہ بالا سزا' قرآن وسنت کے صریح منافی ہے' کیونکہ اس میں زنا بالجبر کی سزا سزائے موت یا پانچ سے پچیس سال کی قید مع جرمانہ رکھی گئی ہے' جبکہ قرآن وسنت میں ''زنا بالجبر'' اگر شرعی معیار کے مطابق ثابت ہو جائے' تو اس کی سزا شادی شدہ کے لیے متعین طور پر رجم ہے اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے حوالے سے ہم اپنے موقف کو شروع میں ثابت کر چکے ہیں۔ زنا بالجبر کو مطلقاً حد سے نکال دینا، قرآن وسنت کا صریح انکار ہے۔

جو لوگ یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ زنا بالجبر شدید ترین جرم ہے، لہٰذا اس کی سزا بھی شدید ترین اور عبرت ناک ہونی چاہیے۔ انہوں نے اس موجودہ پاس کردہ بل میں یہ سزا سزائے موت یا پانچ تا پچیس سال قید مع جرمانہ رکھ کر اسے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، یعنی اگر جج چاہے تو زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص کو صرف پانچ سال قید اور جرمانہ کی سزا دے کر بری کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے کھلی بغاوت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۵۱۔ الجامع الصحيح للبخاری، كتاب الحدود، باب رجم المحصن (ح٦٨١٤)؛ الجامع الترمذی، أبواب الحدود، باب فی ما جاء المرأة اذا استكرهت على الزنا (ح١٤٠٣)

﴿وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۵۳

''اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھے (مخالفت کرے) تو وہ لوگ ظالم ہیں''

جب قانون میں زنا بالجبر کی سزا میں لچک رکھ دی گئی ہے اور اسے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے تو دراصل یہ بااثر لوگوں کے لیے ایک رعایت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل میں زنا بالجبر کے سنگین جرم کے مرتکب شخص سے جرمانہ وصول کرنے کا ذکر بھی سطور بالا میں درج ہے، جو کہ قرآن وسنت کی صریح مخالفت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت خالد الجھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں:

> ''ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو عرض کیا کہ، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے مابین کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں، اس کا فریق مخالف کھڑا ہوا اور یہ شخص، پہلے شخص سے زیادہ سمجھدار تھا، کہنے لگا کہ اس نے سچ کہا، ہمارے مابین کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں اور مجھے کچھ کہنے کی اجازت عطا فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کہو'' تو فریق ثانی نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کرلیا، تو میں نے اس کے فدیہ کے طور پر ان کو سو بکریاں اور ایک غلام دیا، پھر میں نے اہل علم سے پوچھا، تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں کی سزا اور ایک سال کے لیے جلاوطنی ہے، اور اس کی بیوی کو سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ضرور تمہارے درمیان کتاب اللہ کی روشنی ہی میں فیصلہ کروں گا۔'' سو بکریاں اور غلام تجھے واپس کردیے جائیں گے اور تیرے بیٹے پر سو کوڑوں کی سزا اور جلاوطنی لازم ہے، (آپؐ نے ایک قریب بیٹھے صحابی سے فرمایا) اے انیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو، اگر وہ اعتراف جرم کرے تو اسے رجم کردو، (راوی کہتا ہے کہ) اس عورت نے اعتراف جرم کرلیا، اور اسے رجم کردیا گیا'' ۔۵۴

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ زنا ''موجب حد'' میں جسمانی سزا ہے، مالی جرمانہ نہیں۔

2۔ قرآن وسنت کی روشنی میں حد زنا کے قیام کے لیے چار عینی گواہوں یا اقرار واعتراف کا پایا جانا ضروری ہے، جبکہ قومی اسمبلی میں منظور کردہ خواتین بل میں زنا بالجبر کی سزا میں عینی گواہی کو قطعاً نظر انداز کردیا گیا ہے، اس امر کو قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل کی دفعہ 376 کے متعلق ٹیبل نمبر 4 میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، یہ قرآن وسنت اور اسلام سے کھلی بغاوت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۵۳۔ البقرہ ۲:۲۲۹

۵۴۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحدود، باب ھل یأمر الامام رجلا فیضرب الحد غالبا عنه (ح ۶۸۰۹، ۶۸۶۰)

﴿وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾۵۵

''اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی دین (وقانون) چاہا تو (وہ) اس سے ہرگز قبول کیا جائے گا۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴾۵۶

۱۔ ''اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں''۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾۵۷

۲۔ اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں''۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾۵۸

۳۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں۔''

ان آیات کریمہ کے مخاطب حکمران ہیں، کیونکہ احکام الٰہی کو نافذ کرنا، فرد کی نہیں، اہل اقتدار کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ ان آیات مبارکہ میں ان حکمرانوں کو جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں، بالترتیب کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جو حکمران تساہل کی وجہ سے اللہ کے احکام کو نافذ نہ کریں، وہ فاسق ہیں اور جو تمرد اور سرکشی کے سبب اللہ کے احکام کو نافذ نہ کریں، وہ ظالم ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا سرے سے انکار کردیں، وہ کافر ہیں۔

3۔ قومی اسمبلی میں منظور کردہ تحفظ خواتین بل کی ترمیم نمبر 14 میں آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 6 اور 7 کو حذف کیا گیا ہے، چنانچہ منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر 14 میں واضح طور پر موجود ہے کہ ''زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء آرڈیننس نمبر 7، مجریہ 1979ء کی دفعات 6 اور 7 کو حذف کردیا جائے گا۔

اس ترمیم کے مطابق آرڈیننس نمبر 7، 1979 کی دفعہ 6 کو کلی طور پر منسوخ کردیا گیا ہے، حالانکہ حدود آرڈیننس 1979ء کی دفعہ 6 میں زنا بالجبر کے لیے درج ذیل سزائیں مقرر کی گئی تھیں:

(الف)۔ اگر مرد یا عورت محصن (شادی شدہ) ہے تو اس کو کسی جائے عام پر رجم (سنگسار) کرکے ہلاک کردیا جائے گا۔

(ب)۔ اگر مرد یا عورت محصن نہیں ہے (غیر شادی شدہ ہے) تو جائے عام پر کوڑوں کی سزا، جس کی تعداد سو 100 کوڑے ہوگی، دی جائے گی اور کوئی دیگر سزا جس میں سزائے موت بھی شامل ہے، دی جائے گی، جو کہ عدالت حالات مقدمہ کے مدنظر مناسب سمجھے۔۵۹

حدود آرڈیننس کی دفعہ 6 میں موجود ان سزاؤں (الف اور ب) کو پڑھنے کے بعد ایک باشعور انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس دفعہ کو کلی طور پر منسوخ کرنے کا مقصد اس میں موجود حدود الٰہی کو ختم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔

4۔ قومی اسمبلی میں منظور کردہ تحفظ خواتین بل میں زنا بالرضا ''موجب حد'' کو قابل دست اندازی پولیس جرم سے

۵۵۔ آل عمران ۳:۸۵ ۵۶۔ المائدہ ۵:۴۴

۵۷۔ المائدہ ۵:۴۵ ۵۸۔ المائدہ ۵:۴۷

۵۹ New Islamic Laws 1979, P:6 published By:Mansoor Book House, Lahore

خارج کردیا گیا ہے۔ اس امر کو قومی اسمبلی میں منظور کردہ بل کے ٹیبل نمبر 8 میں دیکھا جاسکتا ہے۔ زنا بالرضا کو قابل دست اندازی پولیس جرم سے خارج کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ملزم کو پکڑ کر عدالت میں لانا، گواہوں کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرنا اور موقع پر موجود قرائن وشواہد کو جمع کرنے کی ذمہ داری سے حکومت دستبردار ہوگئی ہے اور مستغیث پر ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ وہ مقدمات جو براہ راست جج کی عدالت میں دائر ہوتے ہیں، ہفتوں اور مہینوں ان کی سماعت کی نوبت نہیں آتی اور اس دوران میں قرائن و واقعات کی شہادت (Circumstancial Evidence) تلف ہوجائے گی اور کسی بھی درجے میں ثبوت جرم کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔

5۔ قومی اسمبلی میں منظور کردہ بل میں زنا بالرضا کی سزا، محصن (شادی شدہ) ہونے کی صورت میں موت تک سنگسار کرنا اور اگر محصن نہ ہو تو ایک سو کوڑوں تک کی سزا رکھی گئی ہے۔ اس امر کو قومی اسمبلی میں منظور کردہ بل کے ٹیبل نمبر 8 میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قرآن وسنت کی رو سے غیر شادی شدہ زانی کے لیے متعین سزا، سو کوڑے ہے، جبکہ بل میں موجود غیر شادی شدہ کی سزا، سو کوڑے نہیں بلکہ سو کوڑے تک بیان کی گئی ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ جج سو کوڑوں سے کم کی سزا بھی دے سکتا ہے، مثلاً پچاس کوڑے مار کر باعزت بری کردیا جائے یہ قرآنی حکم میں صریح تحریف ہے۔

6۔ قومی اسمبلی میں منظور کردہ تحفظ خواتین بل میں آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 3 کو حذف کیا گیا ہے، اس امر کو قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل کی ترمیم نمبر 12 میں دیکھا جاسکتا ہے جو یہ ہے ''زنا کے جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء) کی دفعہ 3 کو حذف کردیا جائے گا''۔[۶۰]

''مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ 3، جس کو کلی طور پر حذف کیا گیا ہے وہ یہ ہے ''آرڈیننس دیگر قوانین پر غالب ہوگا'' یعنی آرڈیننس ہذا کے احکام کسی دیگر نافذ الوقت میں درج کسی امر کے باوصف موثر ہوں گے''۔[۶۱]

یہ دفعہ 3 کہ جس کو حذف کردیا گیا ہے، اس کے سبب حدود آرڈیننس کو ان جرائم سے متعلق دوسرے کسی بھی قانون پر بالادستی (Effect Overriding) دی گئی تھی، اس کو ختم کردیا گیا ہے جس کے نتیجے میں حدود الٰہی کی قانونی حیثیت (Legal Status) عام تعزیری قوانین کے برابر ہوجائے گی۔ علماء کمیٹی نے یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ مجوزہ بل میں مندرجہ ذیل دفعہ شامل کردی جائے:

''اس قانون کی تعبیر وتشریح سے متعلق کسی بھی دوسرے قانون کے مقابلے میں قرآن وسنت کو بالادستی حاصل ہوگی۔'' اسے شامل نہیں کیا گیا۔

7۔ قومی اسمبلی میں منظور کردہ تحفظ خواتین بل میں آرڈیننس نمبر 7 مجریہ 1979ء کی دفعہ 4 میں لفظ ''جائز'' کو حذف کیا

۶۰۔ روزنامہ جنگ، ۱۸ نومبر ۲۰۰۶ء

۶۱ New Islamic Laws 1979, P:55 published By:Mansoor Book House, Lahore

گیا ہے،اس امرکوقومی اسمبلی کے منظورشدہ کردہ بل کی ترمیم نمبر13 میں دیکھا ہے جاسکتا ہے'جو یہ ہے۔''زنا کا جرم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء (آرڈیننس نمبر7 مجریہ 1979ء) میں دفعہ 4 میں لفظ''جائز طور پر'' اور مذکورہ دفعہ کے آخر میں تشریح کو حذف کردیا جائے گا۔۶۲

حدود آرڈیننس کی مذکورہ دفعہ 4'جس سے لفظ''جائز'' کوختم کیا گیا ہے،وہ یہ ہے۔''ایک مرداورایک عورت زنا کے مرتکب کہلائیں گے۔اگروہ باہمی جائز شادی کے بغیر بالارادہ مباشرت کریں۔''۶۳

مذکورہ بالا دفعہ میں لفظ شادی کے ساتھ لفظ جائز ہے اوراس مقام پر جائز شادی سے مرادوہ نکاح ہے جوشرعی تقاضوں کے مطابق ہو۔جب اس سے لفظ جائز کوختم کردیا جائے گا'تو مطلق دعوائے نکاح ہی سزا سے بچنے کے لیے کافی ہوگا'چاہے وہ دعوائے نکاح شریعت کے معیار کے مطابق جائز ثابت نہ ہو'زبانی دعوی یا جعلی کاغذی کارروائی کی بناء پر بھی مجرم چھوٹ جائے گا۔

(8)۔ قومی اسمبلی کے منظورکردہ خواتین بل میں موجود ایکٹ45'بابت1860ء میں نئی دفعہ کی شمولیت کے تحت دفعہ 735'بعنوان زنا بالجبر کی شق پنجم میں یہ درج ہے کہ''اس کی رضامندی سے یااس کے بغیر جبکہ وہ سولہ 16 سال سے کم عمر کی ہو۔''۶۴

مذکوردفعہ کے تحت16 برس سے کم عمر(مثلا:پندرہ15 سال'11 ماہ'29 دن) کی عاقلہ بالغہ خاتون کے ساتھ اس کی رضامندی سے زنا کیا گیا ہوتو مرد کوتو زنا بالجبر(Rape) کا مرتکب قرار دے کرسزادی جائے گی، اپنی مرضی سے زنا کرنے والی عاقلہ بالغہ عورت کوارتکاب وثبوت جرم کے باوجود باعزت بری کردیا جائے گااوروہ سزا سے مکمل طور پر محفوظ رہے گی'یہ قرآن وسنت اورشریعت کی صریح خلاف ورزی ہے اوراس سے فحاشی کوفروغ ملے گا'یہ وہی قانونی پوزیشن ہے جواس وقت امریکہ اور یورپ میں ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے کہ:

﴿وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾۶۵

''اور جواللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کرے اوراس کی (قائم کردہ) حدود سے تجاوز کرے'تو اللہ تعالیٰ اسے (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا'جس میں (وہ) ہمیشہ رہے گا اوراس کے لیے ذلت کا عذاب ہے''۔

(9) حدود آرڈیننس کے تحت اگرکسی شخص کے خلاف زنا''موجب حد'' کاالزام ہواورمقدمے میں حدکی شرائط پوری نہ ہوں'لیکن فی الجملہ جرم ثابت ہوجائے تو اسے دفعہ 10(3) کے تحت تعزیری سزا دی جاسکتی تھی،لیکن منظورکردہ بل کی رو سے ضابطہ فوجداری میں دفعہ 203 کا جو اضافہ کیا گیا ہے، اس کی شق نمبر6 میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو زنا ''موجب حد'' کے الزام سے بری ہوگیا ہو،اس کے خلاف فحاشی کا کوئی مقدمہ درج نہیں کرایا جاسکتا۔اس سے یہ

۶۲۔ روزنامہ جنگ'بروز ہفتہ ۱۸نومبر ۲۰۰۶ء

۶۳ New Islamic Laws 1979,P:55,published By;Mansoor Book House,Lahore

۶۴۔ روزنامہ''جنگ''بروز جمعرات'۱۶نومبر ۲۰۰۶ء ۶۵۔ النساء۴:۱۴

بات واضح ہے کہ کسی شخص کے خلاف عورت نے زنا بالجبر کا الزام عائد کیا ہو اور جبر کے ثبوت میں کوئی شک رہ جائے تو ملزم بری ہوجائے گا اور اس کے خلاف فحاشی کی دفعہ کے تحت بھی کوئی کارروائی نہیں کی جاسکے گی۔

اب یہاں یہ بات تو ثابت ہے کہ جرم ہوا ہے اور مستغیثہ نے پولیس کے پاس زنا بالجبر (Rape) کے مقدمے کا اندراج کرایا ہے، لیکن جبر ثابت نہیں ہوسکا، اس کی وجوہ دو ہوسکتی ہیں:

1۔ مجرم با اثر تھا اور اس نے موقع اور قرائن کی شہادتوں کو اپنی طاقت واثر سے تلف کردیا، پولیس نے با اثر شخص کے خوف سے حقائق کو تلف کردیا یا چھپا دیا یا مجرم اتنا جابر اور طاقتور ہے کہ اس کے خوف سے کوئی گواہ عدالت میں گواہی دینے کی ہمت ہی نہیں کرسکتا، لہٰذا مندرجہ بالا شق کی رو سے وہ زنا بالجبر کے الزام سے تو باعزت بری ہوجائے گا اور پھر اس کے خلاف فحاشی کا مقدمہ بھی درج نہیں ہوسکے گا تاکہ اسے قطعاً کوئی سزا نہ مل سکے، ہماری قومی اسمبلی کے فاضل ممبران کی اس دانشمندی سے عورت کو 'مثالی تحفظ' ملے گا، کسی نے سچ کہا ہے:

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

2۔ ابتدائے جرم تو باہمی رضا مندی سے ہوا تھا، لیکن عزت بچانے کے لیے Rape کا دعویٰ کردیا، اب چونکہ عورت کو ہر قسم کی سزا سے بچانا مقصود ہے، لہٰذا اس کی خاطر مرد کو بھی باعزت بری کردیا گیا اور فحاشی (Lewdness) کے الزام میں جو کم تر سزا مجرمین کو مل سکتی تھی، اس قانون نے اس کے امکانات کو ختم کردیا۔ اب اس سے فحاشی کو فروغ ملے گا۔

10۔ قذف آرڈیننس کی دفعہ 14 میں قرآن کریم کے بیان کیے ہوئے لعان یعنی اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کرسکے تو عورت کے مطالبے پر اسے لعان کی کارروائی میں قسمیں کھانی ہوں گی اور میاں بیوی کی قسموں کے بعد ان کے درمیان نکاح فسخ کردیا جائے گا۔ قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر شوہر لعان کی کارروائی سے انکار کرے تو اسے اس وقت تک حراست میں رکھا جائے گا، جب تک وہ وہ لعان پر آمادہ نہ ہو، منظور کردہ بل میں یہ حصہ حذف کردیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر لعان پر آمادہ نہ ہو تو عورت بے بسی سے لٹکی رہے گی۔ نہ ہی اپنی بے گناہی لعان کے ذریعے ثابت کرسکے گی اور نہ نکاح فسخ کرا سکے گی۔

یہ دفعہ اس لیے شامل کی گئی کہ سیکولر فلسفہ قانون میں کسی شخص کو کسی جرم کے اقرار یا انکار پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، وہ عدالت کو کسی سوال کے جواب میں نہ ''ہاں'' اور نہ ہی ''نہ'' بلکہ کہہ دے کہ No Comments تو عدالت اسے کچھ نہیں کہے گی، اس سیکولر فلسفہ قانون کو اسلام کے قانون لعان پر بالادستی (Effect Overriding) عطا کردی گئی ہے۔

نیز قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر لعان کی کارروائی کے دوران عورت زنا کا اعتراف کرلے تو اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی۔ منظور کردہ بل میں یہ حصہ بھی حذف کردیا گیا ہے۔ حالانکہ اعتراف کرلینے کے بعد سزائے زنا کے جاری نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جبکہ لعان کی کارروائی عورت کے مطالبے پر ہی شروع ہوتی ہے اور اسے اعتراف کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا۔

'تحفظ خواتین بل' کے اثرات ونتائج:

1۔ اس قانون کو 'قانون تحفظ خواتین' کے بجائے 'قانون برائے فروغ فحاشی' کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

2۔ عملاً پاکستان قرآن وسنت کے صریح احکام اور پاکیزہ سماجی اقدار کے ماحول سے نکل کر مغرب کے بے غیرتی و بے حمیتی اور فروغ فحاشی کے ماحول میں چلا جائے گا۔

3۔ جب قانون، زنا اور فحاشی کو روکنے میں ناکام رہے گا، بلکہ قانون کا علامتی خوف بھی اٹھ جائے گا تو پاکستان میں ''کاروکاری''، ''غیرت کے نام پر قتل'' اور ماورائے عدالت انتقامی کارروائیوں کو فروغ ملے گا، کیونکہ پاکستانی معاشرہ بالعموم اور مسلمان بالخصوص اس بے غیرتی کو ہضم نہیں کر پائیں گے۔

4۔ غیر شادی شدہ جوڑے، اہل مغرب کی طرح اکٹھے رہنا چاہیں یا ہوٹل میں کمرہ بل کرا کے سیاہ کاری کرنا چاہیں تو انہیں قانون کا کوئی ڈر نہیں رہے گا۔

5۔ صدر امریکا جارج واکر بش اور وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیئر نے برملا اس قانون کی تحسین کی ہے، اسے روشن خیالی، آزادی اور جدت پسندی کا مظہر قرار دیا ہے۔

ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ جس قانون کی تعریف وتحسین یہود ونصاریٰ کریں، امت مسلمہ پر ہر سو آگ برسانے والے بش اور ٹونی بلیئر کریں، کیا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوسکتا ہے؟ ان کی تحسین اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مقاصد کفر کو پورا کر رہا ہے اور اس کے برعکس دین کا درد رکھنے والے تمام مسلمان اور علماء غمزدہ ہیں، رنجیدہ ہیں اور اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔

ہماری رائے میں قومی اسمبلی کے منظور کردہ بل کو ''تحفظ خواتین'' بل کا نام دینا صریح مذاق ہے، اس میں خواتین کو غیر محفوظ تو کر دیا گیا ہے، ان کو تحفظ عطا نہیں کیا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کسی کالے حبشی کا نام ''شمس الزماں'' یا ''نورالزماں'' رکھ دیں۔

ایک ٹیکنیکل اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ 1973ء کا دستور اسلامی ہے، اس پر علماء نے دستخط کیے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کیا، جب کہ حدود آرڈیننس 1979ء میں آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ 1973ء کے آئین میں دو واضح تحدّیدت (Bindings) تھیں:

1۔ یہ کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

2۔ یہ کہ تمام موجودہ قوانین کو دس سال کے اندر اسلام کے مطابق ڈھال دیا جائے گا۔

تو اگر 1973ء کے آئین پر لفظاً اور معنی عمل کیا گیا ہوتا، تو بھی 1983ء سے پہلے پہلے قوانین حدود اور قوانین قصاص کا نافذ کرنا لازمی قانونی تقاضہ تھا۔

حدود آرڈیننس کے خاتمے کا اصل ہدف

حدود آرڈیننس اپنے نفاذ کے فوراً بعد اسلام دشمن طاقتوں کا ہدف بنا اور اس موضوع پر مختلف کمیشن وقتاً فوقتاً تشکیل

پاتے اور اہل ہوا کے دلوں کو گرماتے رہے۔مثال کے طور پر عورت کی حیثیت کے بارے میں کمیشن،چیئر پرسن بیگم زری سرفراز ۱۹۸۵ء۔ دی کمیشن آف انکوائری فار ویمن،چیئر مین جسٹس سعد سعود جان ۱۹۹۴ء۔خواتین حقوق کمیشن،جسٹس ناصر اسلم زاہد ۱۹۹۶ء۔نیشنل کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن،چیئر پرسن جسٹس(ر) ماجدہ رضوی ۲۰۰۰ء وغیرہ۔پچیس سال سے یہ سلسلہ جاری تھا۔مگر جولائی ۲۰۰۶ء سے اس میں خاصی شدت آ گئی،اور ہر گذرتے لمحے اور تبدیل ہوتے شب وروز کے ساتھ اس کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔اس کے بہت سے عوامل تھے۔مگر خاص مقصد جو سب سے بڑھ کر،سب سے نمایاں اور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

اور وہ اصل ہدف خاندان کا ادارہ ہے۔ یہ ادارہ معاشرے کی یکجہتی کی بنیاد ہے۔ بدقسمتی سے یہ بنیاد مغرب میں ڈھادی گئی ہے اور وہ اب مسلم معاشروں سے بھی اس بنیاد کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس بنیاد پر ہماری ساری معاشرت کا دارومدار ہے۔

امریکی محکمہ خارجہ نے 2006ء میں ایک رپورٹ شائع کی جس میں امریکا نے پاکستان میں تحفظ ختم نبوت، ناموسِ رسالت اور حدود بل کا نہ صرف ذکر کیا ہے، بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ ان قوانین کو امریکی حکومت کی مرضی کے مطابق تبدیل کیا جائے۔[۶۶]

یہ خبر اپنے اندر ایک جہان معنی رکھتی ہے،قوانین کا نفاذ،ترمیم وتنسیخ خالص داخلی معاملہ ہے،اس پر کسی دوسرے ملک کا اس انداز میں رپورٹ جاری کرنا،رائے کا اظہار اور سفارشات مرتب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک اور مثال دیکھئے،ہمارے ملک کی ''روشن خیال'' خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے کشور ناہید جیسی معروف خاتون نے اپنے کالم میں لکھا ہے:

آج کل یا تو بجٹ کا تذکرہ ہے یا پھر حدود آرڈیننس،اوپر تلے اس طرح پروگرام ہو رہے ہیں جیسے پولیو کا ہفتہ منایا جاتا ہے یا پھر جیسے پولیس والے کبھی کبھی بظاہر ہفتہ اخلاق مناتے ہیں۔ عاصمہ جہانگیر سے میں نے پوچھا یہ وبا کیسے پھوٹ پڑی ہے۔اس نے تڑ سے جواب دیا''جیسے بھٹو صاحب نے جمعہ کی چھٹی اور قادیانیوں کو غیر مسلم بنایا تھا شاید کچھ اسی طرح کی یہ تحریک ہے''میں نے ٹوکا اور کہا''دیکھو جو کوئی اچھا کام کرے چاہے وہ ڈکٹیٹر ہو اس کو اچھا تو کہہ دیا کرو' کہنے لگی''تو پھر فیڈرل شریعت کورٹ بھی ختم کراؤ''میں نے کہا کہ پوری روٹی مانگنے کی کوشش مت کرو۔ ایک ایک کر کے وہ کام جن کے لیے ہم ۲۷ برس سے رو رہے ہیں اگر ہوتے ہیں تو ہونے دو۔[۶۷]

اور اس بل کی منظوری کے بعد واشنگٹن ٹائمز نے ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا:

بدھ کو پاکستان کے ایوان زیریں نے جو قانون منظور کیا ہے وہ حقوق نسواں اور سیکولر قانون کے غلبے' دونوں کے لیے پیش رفت ہے۔ پوری مسلم دنیا میں اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔ پاکستان کی ترقی میں مسلم دنیا کے دوسرے ممالک کے لیے بشمول ایران اور سعودی عرب جہاں حدود آرڈیننس جیسے قوانین ہیں' غیر معمولی اہمیت کا سبق ہے۔[۶۸]

۶۶۔ روزنامہ نوائے وقت، ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ء ۶۷۔ روزنامہ جنگ، ۸/جون ۲۰۰۶ء

۶۸۔ واشنگٹن ٹائم، اداریہ، پاکستان میں خواتین کے حقوق، ۷ نومبر ۲۰۰۶ء

اصل میں حدود آرڈیننس جس بنیادی نکتے کے گرد گھومتا ہے وہ خاندان ہے۔خاندان اسلامی معاشرت کا نکتہ ارتکاز بھی ہے اوراس کی اساس بھی۔ یہ وہ نعمت ہے جوآج مغرب کو حاصل نہیں،اوریہی وہ بنیاد ہے جس پراسلامی معاشرت قائم ہے۔اس لیے مغرب اورمغرب زدہ طبقات کاسب سے بڑانشانہ بھی یہی خاندان ہے۔درحقیقت ان کااصل نشانہ تواسلام ہے اوراسلام کونشانہ بنانے کے لیے جس رخنے کی انہیں تلاش ہے وہ انہیں خاندان کی شکست وریخت کی صورت میں ہاتھ آسکتا ہے،جس کے لیے وہ مسلسل سرگرم عمل ہیں۔

خاندان کی مغرب میں جوصورت حال ہے،وہ اسے فوری طور پردرست نہیں کرسکتے،اس کی جگہ ان کاہدف یہ ہے کہ مسلم ممالک میں بھی کم وبیش یہی صورت حال پیدا کردی جائے،جس کے لیے ہرہر پہلو سے کوششیں جاری ہیں۔مغرب کی اس سوچ کوسمجھنے کے لیےمغرب میں بدکاری وبداخلاقی کی صورت حال کوسامنے رکھنا ہوگا،ایک حالیہ سروے کے مطابق مغربی ممالک میں بسنے والے مرداپنی زندگی میں اوسطاً ۱۴ء۶ عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں،جبکہ وہاں سکونت پذیرعورتیں اوسطاً ۱۱ء۵ مردوں سے ناجائزتعلقات قائم کرتی ہیں۔ ۱۹۵۹ء میں برٹش میڈیکل ایسوی ایشن کی جانب سے شائع شدہ ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ برطانیہ میں ہرتیسری عورت شادی سےقبل دوسرے مردوں کے ساتھ ناجائزتعلقات قائم کرتی ہے،یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں ہربیسواں بچہ ولدالزنا ہوتا ہے۔یونان میں بدریعہ زنا پیداہونے والے ناجائزبچوں کی شرح ۲فیصد، سوئٹزرلینڈ میں ۶ء۱فیصد،فرانس میں ۳۰ء۱فیصد،ڈنمارک میں ۴۶ء۴فیصداورسویڈن میں ۴۸ء۲فیصد ہے۔

یادرہے کہ یہ اعدادوشمارآج سے چالیس پچاس برس قبل کے ہیں۔آج توبات اس سے کہیں آگے جاچکی ہے۔ چنانچہ برطانیہ میں برٹش کرائم سروے کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ۰۵-۲۰۰۴ء میں ۱۶سال کی عمرسے بڑی خواتین میں سے ۲۳فی صدنے اعتراف کیا کہ ان کوجنسی زیادتی کانشانہ بنایا گیا ہے۔ایک سال میں عورتوں کی کُل آبادی کے۳فی صدنے اعتراف کیا کہ اس سال ان عصمت دری کی گئی ہے۔پاکستان میں جنسی جرائم کاتناسب ایک لاکھ کی آبادی میں ۱.۶ ہے،جب کہ انگلستان میں یہ۳فیصد،یعنی ایک لاکھ میں ۳۰۰۰ بنتا ہے۔امریکا میں ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۵ء تک اوسطاً ہرسال ایک لاکھ خواتین جبری عصمت دری کانشانہ بن رہی ہیں،جسے وہاں forceable rape کہا گیا ہے۔[۶۹]

اوراگرہم پڑوسی ملک ہندوستان کے ساتھ پاکستان کاموازنہ کریں توپانچ سال میں (۱۹۹۱ءتا۱۹۹۵ء) بھارت میں جہاں حدودقوانین سے قبل ہی کابرطانوی قانون نافذ ہے' پاکستان کے مقابلے میں ۵۰۰فی صدزیادہ اضافہ ہواہے' جب کہ بھارت میں صرف زِنابالجبر جرم ہے' جب کہ پاکستان میں اس زمانے میں زِنابالرضادونوں جرم تھے:

	۱۹۹۱ء	۱۹۹۵ء	اضافہ
ہندستان میں زِنابالجبر	۹۷۹۳	۱۳۷۹۵	۴۰.۴
پاکستان زِنابالجبر بالرضا	۱۴۸۲	۱۶۰۶	.۷.۷ [۷۰]

۶۹۔ بحوالہ سرکاری رپورٹ Crime in the united States2005

۷۰۔ شہزاداقبال شام کا مقالہ ارتکاب زنا (نفاذ آرڈیننس ۱۹۷۹ء)؛پاکستان میں حدود قوانین،مطبوعہ شریعہ اکیڈمی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد،ص ۸۹

پھر یہ اعتراض بھی اپنے اندروزن نہیں رکھتا بلکہ اعدادوشماراس کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ پاکستان میں حدود قوانین کے نفاذ کے بعد جرائم میں اضافہ ہوا ہے،اس لیے کہ آبادی کے تناسب سے جرائم میں اضافہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ زِنا بالجبر کے جوواقعات رپورٹ ہوئے وہ ۱۹۴۹ء میں ۵۲۱ تھے‘ ۱۹۸۰ء میں ۳۹ ۷ ہو چکے تھے۔ان قوانین کے نفاذ کے بعد ۱۹۸۱ء یہ بات مسلم معاشرے میں اس حد تک بھی بہت شرم ناک اورافسوس ناک ہے۔ا ے

دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ سعودی عرب میں جہاں حدودقوانین کوٹھیک ٹھیک نافذ کیا گیا ہے جرائم میں غیر معمولی کمی واقع ہوئی اورآج بھی یونیسکو کی رپورٹوں کے مطابق سعودی عرب میں جرائم کا تناسب دنیا میں سب سے کم ہے‘ جب کہ بھارت اورمغربی ممالک میں جہاں کوئی حدودقوانین موجودنہیں‘ زِنا بالجبر نے سوسائٹی کی چولیں ہلا رکھی ہیں۔ بھارت کے نیشنل کرائم ریکارڈ بیوروکی رپورٹ کے مطابق جسے پارلیمنٹ میں جوالائی ۲۰۰۶ء میں پیش کیا جانا تھا‘ ہرآدھے گھنٹے میں ایک عورت کی جبری عصمت دری کی جاتی ہے اور ہر ۵۷منٹ پر ایک کوقتل کیا جاتا ہے۔نیز صرف ۲۰۰۴ء میں ۲۰۰۳ء کے مقابلے میں ملک کے ۳۵ بڑے شہروں میں جبری عصمت دری میں ۳۰ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔۲ ے

اس تناظر میں اسلامی ممالک میں خاندانی نظام کے خلاف برپا مغربی مہم کو دیکھا جائے توان کے اہداف ومقاصد بخوبی واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔پھر ہمارے لیے یہ بات بھی اہم ہے کہ اس پوری تحریک کے پیچھے مغربی ممالک، پاکستان کا مغرب زدہ طبقہ اوروہ خواتین اوران کی تنظیمیں شامل ہیں جوبراہ راست خاندانی نظام اوراسلامی اقدار کے خلاف کام کرتی ہیں۔ نام گنوانے کا کچھ حاصل نہیں،ایک آسان صورت یہ ہے کہ حدودآرڈیننس کے خلاف جواین جی اوز زیادہ متحرک ہیں، جن کا اس موضوع پر لٹریچر شائع ہورہا ہے،ان کے دفاتر کے پتے موجود ہیں،ان کا خوددسروے کرلیجئے اورخودجاکر ماحول کا جائزہ لے لیجیے آپ کوخودعلم ہوجائے گا کہ وہ کن سرگرمیوں میں مصروف ہیں؟اوروہ سرگرمیاں کیا آئین پاکستان،مسلمہ اخلاقیات اورموجودہ قومی وبین الاقوامی قوانین کے مطابق ہیں،یاان کے بالکل برعکس ؟ کہنے سننے کی بات دوسری ہوتی ہے،عملی تجربہ انسان کو بہت سے ان دیکھے مگر بالکل ٹھوس دلائل پرمبنی حقائق تک دیتا ہے۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس پرخصوصاً عوام الناس کوغورکرنے کی ضرورت ہے،جومیڈیااوراورذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کے شور میں اب تک یہ سمجھ ہی نہیں سکے کہ یہ بل کس کے خلاف ہے اورکس کے حق میں اوراس میں کہا کیا گیا ہے،نشانہ کس کو بنایا گیا ہے؟اورکس ’’ظلم‘‘ کا خاتمہ کیا گیا ہے؟

یہ واضح حقیقت بہت سے اراکین اسمبلی کے علم میں بھی آچکی ہے، بلکہ درست تو یہ ہے کہ غالباًاس حقیقت سے تمام ارکین اسمبلی ہی آگاہ ہیں،مگر سیاسی اور تنظیمی مجبوریوں سے بلند ہوکرحقوق نسواں بل کی حمایت پرووٹ ڈالنے اوراپنی رائے کے اظہار سے جس بڑی تعداد نے گریز کیا وہ قطعاً نظرانداز کردینے کے لائق نہیں۔ق لیگ کے ۴۷اورپیپلزپارٹی کے تقریباً ۲۰،۲۱ ارکان نے غیر حاضر ہوکریارائے شماری کے وقت ایوان سے اٹھ کرعملاً اس بل ووٹ نہیں دیا۔یہ وہ ارکان ہیں، جوہمارے حسن ظن کے مطابق اس بل کی غیراسلامی اورغیرشرعی دفعات سے اوراس بل کے نفاذ کے مضمرات سے مکمل آگہی

ا ے۔ رائٹر کی رپورٹ، یکم جون ۲۰۰۶ء

۲ ے۔ سمیحہ راحیل قاضی، تحفظ نسواں یا تحفظِ عصیاں بل،ص ۲۰،بحوالہ،اصل نشانہ خاندان ہے از سید عزیز الرحمٰن

رکھتے ہیں اور اسلام کے خلاف اس بیرونی سازش میں حصہ بننے کو تیار نہیں۔

بہرکیف ہماری اس گفتگو سے ہرایک کو جان لینا چاہیے کہ اصل میں حدود آرڈیننس نہیں خاندان نشانہ ہے، اور خاندان بھی بجائے خود نشانہ نہیں اصل نشانہ اسلام اور اس کے قوانین ہیں، خاندان تو اس سلسلے میں ایک ذریعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حدود قوانین پر حملہ بظاہر عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور قانون کے غلط استعمال کے دروازے بند کرنا ہے مگر فی الحقیقت یہ ملک کو سیکولر بنانے اور اس کی اسلامی شناخت ختم کرنے کے امریکی اور لبرل عناصر کے ہمہ گیر منصوبے کا پہلا کلیدی اقدام ہے۔ اصل ایشو دین اور ریاست کے تعلق اور اجتماعی زندگی اور قانون سازی میں الہامی ہدایات اور دینی احکام کے فیصلہ کن کردار کا ہے۔ حدود قوانین کی بحث میں مرکزی نکتہ ہے ہی یہ کہ اصل حکم کون ہے؟ مغربی اقوام کو شریعت سے جو کد ہے' اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ اقدار اور اساسی قانون کا منبع انسانی تجربہ ہے یا الہامی ہدایت؟ انفرادی دین داری جسے صوفی اسلام کا نام دیا جا رہا ہے' اس سے مغرب کے استعماری نظام کو کوئی خطرہ نہیں لیکن اسلام کا وہ تصور جو انسانی زندگی کے جملہ معاملات کے لیے بنیادی رہنمائی اللہ اور اس کے رسولؐ کی فراہم کردہ ہدایت سے حاصل کرتا ہے اور جس کے نتیجے میں اُمت مسلمہ ایک تاریخ ساز قوت بنتی ہے وہ 'سیاسی اسلام' (political Islam) بن جاتا ہے اور جو بنیاد پرستی (fundamentalism) اور انتہا پسندی (extremism) قرار پاتی ہے۔ حدود قوانین تو صرف پانچ ہیں جو مقاصد شریعت کے محافظ ہیں' ان سے خطرہ ہی یہ ہے کہ اس طرح شریعت رہنما قوت بنتی ہے۔''[۳۷]

یہ بات پاکستان میں رائج دیگر قوانین ے سرسری مطالعے سے بھی سامنے آسکتی ہے۔

پی پی سی (تعزیرات پاکستان) میں بہت سے ایسے قوانین موجود ہیں، جو حدود آرڈیننس کے مخالف طبقے کی زبان میں 'حقوق نسواں' کے صریح خلاف ہیں، اور عورت دشمن رویوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ جن کے نتیجے میں خواتین مسلسل ظلم کا شکار ہیں، اور جو خواتین پر طرح طرح کے مظالم کا راستہ کھولتے ہیں۔ مگر یہ قوانین کسی کا ہدف آج تک نہیں بن سکے، نہ تو انسانی حقوق کی تنظیمیں اس پر کسی تحریک کی بنیاد رکھتی ہیں، نہ خواتین کے حقوق کی علم بردار اور تحفظ نسواں کی داعی سیاسی وسماجی تنظیمیں ان قوانین کو منسوخ کرنے کا، مطالبہ کرتی ہیں، نہ وہ محققین اس جبر پر قرآن وسنت کی روشنی میں کتابیں تحریر بلکہ تخلیق فرماتے ہیں، جو حدود کے معاملے میں بڑے سرعت کے ساتھ حرکت میں آجاتے ہیں۔ یہ بات سنجیدہ حلقوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے، اور ہماری گذارش تمام حلقوں سے یہ ہے کہ اس حوالے سے ہمارے پیش کردہ نکات پر معروضی انداز میں غور ضرور فرمائیں۔ کیا خبر کہ جس سچائی کی تلاش میں آپ سرگراں ہیں وہ یہیں کہیں ہو۔

سرکاری نسواں بل میں قرآن وسنت کی خلاف ورزیاں

کہا جا رہا ہے کہ نسواں بل میں کوئی بات قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے جبکہ یہ بل قرآن وسنت کی قائم کردہ

۳۷۔ پروفیسر خورشید احمد، اشارات، ماہنامہ ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۶ء

حدوں کو ختم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ متعدد خواتین بھی فریب میں آ کر اسے حقوق کا پروانہ قرار دے رہی ہیں لیکن دراصل یہ بل صرف زنا کاروں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

☆۔ اس بل کے ذریعے جو خلاف ورزیاں کی گئی ہیں درج ذیل ہیں:

1۔ اس میں پہلی خلاف ورزی یہ ہے کہ 'زنا' کو معاشرے اور ریاست کے خلاف جرم کے بجائے فرد کے خلاف جرم کی سطح پر لے آیا گیا ہے۔ اب پولیس ان شدید اخلاقی جرائم پر ازخود دست اندازی نہیں کرسکتی۔ متاثرہ فریق بھی پولیس کو پرچہ درج نہیں کرا سکتا۔

2۔ سولہ سال سے کم عمر کی نوجوان بالغ لڑکی اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے اس کی کھلی اجازت ہے۔ ماں باپ، اور اگر شادی شدہ ہو تو شوہر، اس سے کسی قسم کی باز پرس اور سزا دلوانے اور دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہ قرآن وسنت کی کھلم کھلا خلاف ورزی اور دین میں ترمیم ہے۔

3۔ اس بل میں زنا بالجبر کی حد شرعی کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ قرآن وسنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

4۔ فحاشی کی سزا دس سال سے کم کر کے پانچ کر دی گئی ہے اور طریق کار ایسا رکھا گیا ہے کہ کسی کو فحاشی کی پانچ سال کی سزا بھی نہ مل سکے۔ اس لیے مقدمہ کرنے والی پولیس نہیں ہوگی بلکہ عام آدمی ہوگا جسے مقدمے میں ناکامی پر پانچ سال کی سزا دی جائے گی۔ اس کے بعد کون ہے جو مقدمہ کرے گا۔ یہ بھی زنا کا راستہ کھولنے والی دفعہ ہے۔

5۔ حدود آرڈیننس کے تحت اگر جرم حد ثابت نہ ہوتا تھا لیکن نفس جرم ثابت ہوتا تھا تو حد کی جگہ تعزیری سزا دے دی جاتی تھی لیکن موجودہ قانون کے تحت حد ثابت نہ ہوسکے تو تعزیری سزا بھی ساقط ہوجائے گی۔ یا نئے سرے سے مقدمہ دائر کیا جائے تو اس کے بعد ہوسکتا ہے کہ تعزیری سزا دی جاسکے۔

6۔ اس بل میں سنگین تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ حدود آرڈیننس کی دفعہ 2 شق 5 کو ختم کر دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ عدالت کسی مجرم پر حد کی سزا کا حکم دے تو حکومت کو اسے ختم کر دینے کا اختیار ہوگا۔

7۔ حدود آرڈیننس کی دفعہ 3 میں کہا گیا تھا کہ اس آرڈیننس کے احکام دوسرے قوانین پر بالا رہیں گے۔ اس شق کو بھی تحفظ حقوق بل میں ختم کر دیا گیا ہے۔ جن ستم رسیدہ خواتین کو اس شق سے تحفظ ملتا تھا اب وہ تحفظ ختم ہوگیا ہے مثلاً ایک عورت کو شوہر نے زبانی طلاق دی ہو تحریری طلاق ثالثی کونسل میں داخل نہ کی ہو، عدت گزرنے کے بعد وہ دوسری جگہ شادی کرلے تو شوہر عائلی قوانین کے تحت زنا کا مقدمہ کر کے سزا دلوانا چاہتا ہو تو اس شق کی وجہ سے اس خاتون کو تحفظ ملتا تھا کہ حدود آرڈیننس عائلی قوانین سے تصادم کی صورت میں بالا ہے لہٰذا جس عورت نے دوسری جگہ شادی کی ہے وہ زنا نہیں ہے۔ اس لیے اس پر حد یا تعزیری سزا عائد نہ ہوگی۔ اب تحفظ ختم کر دیا گیا ہے۔

8۔ قذف آرڈیننس کی دفعہ 4 میں شوہر قذف کی صورت میں لعان سے انکار کرے تو اسے حبس میں رکھنے کا حکم ہے لیکن اس بل میں اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ نتیجتاً شوہر آزاد اور بیوی پر زنا کا الزام عائد رہے گا۔ وہ بے چاری اس کا کوئی مداوا نہ کر سکے گی۔

9۔ قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر لعان کی کارروائی کے دوران عورت زنا کا اعتراف کرلے تو اس پر زنا کی سزا

جاری ہوگی۔ اسے بھی حذف کردیا گیا ہے۔

10۔ زنا آرڈیننس دفعہ 20 میں کہا گیا تھا کہ مقدمہ کے دوران میں اگر ملزم پر شہادتوں سے ثابت ہوجائے کہ حدود آرڈیننس کے علاوہ کسی اور قانون کے تحت اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اگر جرم عدالت کے دائرہ اختیار میں ہوتو وہ ملزم کو سزا دے سکتی ہے۔ اس دفعہ کو بھی ختم کردیا گیا ہے۔

11۔ زنا سے ملتے جلتے تمام تعزیری جرائم کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں منتقل کردیا گیا ہے۔ حدود آرڈیننس میں صرف زنا موجب حد باقی رہ گیا ہے لہٰذا اس ترمیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی مرد پر زنا موجب حد کا الزام ثابت ہولیکن شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ مرد نے عورت پر زبردستی کی تھی، یا زنا ثابت نہ ہو لیکن عورت کو اغوا کرنا ثابت ہوجائے تو عدالت ملزم کو نہ ریپ کی سزا دے سکے گی، نہ اغوا کرنے کی۔ عدالت یہ جانتے بوجھتے کہ اس نے عورت کو اغوا کیا تھا اور اس پر زبردستی کی تھی اسے چھوڑ دے گی۔ اس کے بعد یا تو ملزم چھوٹ جائے گا یا اس کے لیے از سرنو اغوا کی نالش کرنی ہوگی اور مقدمے کا نیا چکر از سرنو شروع ہوگا۔

اس 'تحفظ فحاشی' بل کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی کتاب قانون کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسے کالعدم قرار دیا جائے۔[۴۷]

تحفظ خواتین بل کے مضمرات

'تحفظ خواتین بل' کے نام سے جو قانون وطن عزیز میں نافذ ہوا اس کے قانونی اور اخلاقی مضمرات اب سامنے آرہے ہیں۔ عوام کے سامنے این جی اوز نے یہ منظر نامہ پیش کیا تھا کہ حدود آرڈیننس اور قتل غیرت ہی پاکستانی معاشرہ کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اسی پر ہی قانون سازی کا سارا زور رہا۔ مگر اب اس قانون کے نفاذ کے بعد عدالتیں اور پولیس کا محکمہ ایک بالکل مختلف مسئلے سے دوچار ہیں کہ مجرم خواتین کی کہیں پر دادرسی نہیں ہو رہی۔ ان قوانین کے نفاذ سے اسلامی معاشرے کے نکتہ ارتکاز اور اساس خاندان کے ادارے کی شکست و ریخت کا بھرپور سامان مہیا کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی مزید تفصیلات کے لیے قومی اسمبلی میں جمع کرائی گئی میری ایک ضخیم رپورٹ جو کہ ''حدود آرڈیننس حقائق ومضمرات'' کے نام سے قومی اسمبلی اور پاکستان کی مشہور جامعات کی لائبریریوں میں موجود ہے، سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں میری ایک اور کتاب ادارہ معارف اسلامی کراچی نے ''تحفظ نسواں یا تحفظ عصیاں بل'' کے نام سے بھی شائع کی ہے۔ ان دو رپورٹوں میں، میں نے لمحہ بہ لمحہ روداد بھی لکھی ہے جو کہ 5 جون سے لے کر 15 نومبر تک پارلیمنٹ کے اندر اور باہر ہم نے جدوجہد کی اور اس بل کو قانون بننے سے روکنے کے لیے جدوجہد کی۔ انہی دستاویزات میں حکومتی اور اپوزیشن ممبران کے مسودے اور علماء کی سفارشات بھی شامل ہیں۔ یہ سب تفصیلات ان رپورٹس میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

حقوق نسواں کا عالمی ایجنڈا اور پاکستانی عورت کا کردار

جدید استعمار کے دو اہداف ہیں:

۴۷۔ سمیحہ راحیل قاضی، تحفظ نسواں یا تحفظِ عصیاں بل، ص ۱۶۸ بحوالہ تحفظِ حقوقِ نسواں بل ۲۰۰۶ء کے اسلام سے متصادم پہلو از حافظ حسن مدنی

۱۔ دنیا بھر کی دفاعی صلاحیتیں سلب کر لی جائیں

۲۔ ثقافتی غلامی اور گلوبل کلچر کے ذریعے آزادی نسواں ۷۵

اِن دونوں اہداف پر پوری قوت کے ساتھ عمل درآمد جاری ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم ایک Unipolar دنیا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ گلوبلائزیشن کے تصور کے ساتھ ہی دنیا بھر کی اقوام کو یک رنگی تہذیت میں رنگا جا رہا ہے۔ ایک قسم کی سوچ، ایک ہی کلچر، ایک ہی لباس اور ایک ہی کھانا اور ایک ہی تمدن کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ ارسطو اور افلاطون نے غلاموں کی تعریف میں جو اقوال نقل کیے ہیں کہ نہ اُنہیں سوچنے کا حق حاصل ہے اور نہ منصوبہ بندی کا۔ آج استعمار نے قوموں سے بھی سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے کا حق چھین لیا ہے اور اِن کو ہر طرح سے غلامی کے شکنجے میں کسا جا رہا ہے۔

مشرق ومغرب کی اخلاقی اقدار بالکل جدا اور مختلف ہیں۔ وہاں پر حیاء، عفت، پاکدامنی، عصمت کے الفاظ ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ معاشرہ حیوانیت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جہاں انسانی رشتوں کے احترام اور وقار کی کوئی قیمت نہیں، کوئی قدر نہیں۔ شادی اور خاندان کے ادارے کی کوئی اہمیت نہیں۔ دنیا اسی لیے فساد سے بھر گئی ہے کہ اِس کی بنیادی اکائی یعنی خاندان اور گھر میں فساد برپا ہے۔ گھر اُجڑ رہے ہیں۔ اِس لیے معاشرے، قومیں اور دنیا اُجڑ رہی ہے۔

گھر اور خاندان آج بھی اُمتِ مسلمہ کی ترکش کے آخری تیر ہیں، جو بچے ہیں حرم اور گھر وہ آخری مورچہ ہے، جہاں تہذیبیں پناہ لیا کرتی ہیں۔

آج اِسی آخری مورچے پر سب سے زیادہ حملے ہو رہے ہیں کہ کسی طرح عورت کو اپنے اصل کام یعنی انسان سازی سے غافل کر کے آزادی نسواں کے پُرفریب جال میں پھنسالیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اپنی سب سے بڑی صفت، تخلیق سے نوازا ہے، جس پر وہ جتنا ناز کرے، کم ہے۔ بقول علامہ اقبال:

> ''ہر تخلیق کرنے والی ہستی کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس لیے خالق کائنات بھی پس پردہ جلوہ فرما ہے اور عورت کے لیے بھی اس نے خلوت کو پسند کیا ہے تاکہ وہ اپنی تخلیق کی تعمیر یک سوئی سے کر سکے''۔ ۷۶

اِسی بنیاد فریضے سے اُسے ہٹانے کے لیے اِسے Women Empowerment کے نام پر محبتوں اور حفاظتوں کے رشتوں سے بغاوت کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ مرد جو اِس کا باپ ہے، بھائی ہے، شوہر ہے اور بیٹا ہے جو اِس کے عزیز ترین رشتے ہیں، اِن کے درمیان نفرتوں کی دیوار کھڑی کی جا رہی ہے۔ مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے مدِ مقابل قوتوں کے طور پر صف آرا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اگرچہ ہمارا پاکستانی معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے۔ یہاں پر عورت دوہرے طور پر ظلم کا شکار ہے۔ ایک طرف اِن روایات اور رسوم و رواج کی اسیر ہے جس سے اِس کے نبی رحمتؐ نے اِسے نجات دلائی تھی۔ جس کے آنے پر اُسے انسان سمجھا گیا تھا اُسے زندگی، تعلیم، بنیادی حقوق، شادی اور رائے کی آزادی سے نوازا گیا تھا۔ جسؐ کے آنے پر کہا جاتا تھا

۷۵۔ سمیحہ راحیل قاضی، قتل غیرت، ویمن اینڈ فیملی کمیشن جماعت اسلامی پاکستان

۷۶۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، جاوید نامہ، محکمات قرآنی، خلافت آدم

کہ وہ آئے تو ہر طرف عورت ہی کا چرچا ہونے لگا۔ اِسی نبیؐ کی اُمت کی بیٹیوں پر جاہلی اور رواجی معاشروں کے کالے مہیب سایوں کا راج ابھی بھی چل رہا ہے۔ آج بھی تعلیم کے دروازے اِس پر بند ہیں۔ شادی میں اِس کی مرضی کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ وہ اپنی رائے کا آزادی سے اظہار نہیں کرسکتی۔ آج بھی اِسے جنس کی طرح فروخت کردیا جاتا ہے اور بھیڑ بکری کی طرح ذبح کردیا جاتا ہے۔ مردوں کے قصوروں میں اِسے بھی بے گناہ پابند سلاسل کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف وہ حقوق اور مساوات کے فریب کا شکار ہوکر تنہا اور غیر محفوظ ہوتی جارہی ہے۔ مغرب نے عورت پر ظلم عظیم کیا ہے کہ اسے تنہائی کے عذاب سے دوچار کرکے کھلونا بنادیا ہے کہ جس سے کھیل کر جب جی بھر جائے تو پھینک دیا جاتا ہے۔ وہ جب گھر کی محفوظ جنت کی دہلیز سے باہر نکل آئی تو معاشرے کے جنگل میں درندوں نے اِسے ایسے زخمی کیا کہ اِس کی روح بھی سسکنے لگی ہے اور وہ اب Come Back Home کے بینر لیے سڑکوں پر نظر آتی ہیں کہ گھر! وہ تو قید خانہ نہیں جنت ہے۔ جس کا کوئی گھر نہیں ہوتا وہ تو بڑا ہی قابلِ رحم ہوتا ہے۔

آج کی پاکستانی عورت کو اِن دونوں استحصالی رویوں کے خلاف اُٹھ کر اپنے ربّ اور نبی رحمتؐ کا دامن پکڑنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے اِسے انسانیت کا شرف بخشا ہے۔ اِسے عورت ہی کے روپ میں قابل فخر مقام دیا ہے۔ اِسے زندگی کی دوڑ میں مردانہ وار نہیں بلکہ نسوانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے۔ ہمیں اپنی اقدار پر آج بھی فخر ہونا چاہیے۔ اپنے رشتوں کے احترام پر اور حفاظتوں کے حصاروں پر مکمل اعتماد رکھنا چاہیے۔ مرد اور عورت مل جل کر معاشرے کے غلط رویوں کی اصلاح کرسکتے ہیں اور ہم سب قوتوں کو متحد ہوکر کام کرنا ہوگا تاکہ خاندان کے ارادے مضبوط ہوں اور ایسے حالات تک نوبت نہ آئے کہ فساد، ظلم اور قتل و غارت گری تک معاملات جا پہنچیں۔

محبت، احترام، مشورے، رائے کو اہمیت دینا اور عورتوں کو وہ حقوق دینا جو اسلام نے اِسے عطا کیے ہیں، وہ اہم عوامل ہیں، جس سے خاندان کے ارادے مضبوط ہوں گے اور افراد صحیح ہوں گے تو اچھے خاندان وجود میں آئیں گے۔ اچھے خاندانوں سے اچھے معاشرے تشکیل پاتے ہیں اور اچھے معاشروں سے مہذب قومیں وجود میں آتی ہیں۔

قانون تو الفاظ کی تربیت ہے۔ احساس کی تہذیب ہے۔ اخلاق کی توضیح ہے، یہ کیسے غلط ہوسکتا ہے؟

ضابطہ تو زندگی ہے، تنظیم ہے۔ یقین محکم ہے۔ یہ کیوں کر خراب ہوسکتا ہے؟

اصول تو معاشرے کا چلن ہے۔ چلن کا سلیقہ ہے۔ بات کا قرینہ ہے۔ اسے فضول قرار دے کر باقی کیا رہ جاتا ہے؟

آیئے! ہم قانون کی عمل داری کا عہد کریں۔ وہ قانون جسے توڑ کر ایک فرد قانون کا مجرم ٹھہرتا ہے۔

☆ معاشرے نیک و بد میں ضرور تقسیم ہوتے ہیں۔

☆ یہ ایک فطری تقسیم ہے۔

☆ اس کا عمل کبھی نہیں رکا۔

☆ ہر طلوع ہونے والے سورج کے ساتھ انسان تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

☆ دو پلڑوں کے درمیان، دو ذہنوں کے درمیان

☆ دو دنیاؤں کے درمیان

☆ عملاً خیر اور شر کے درمیان ۷۷

☆☆☆☆☆

☆ ہم بھی اس حقیقت کا سامنا کر رہے ہیں۔

☆ ہم بھی ایسا معاشرہ رکھتے ہیں۔

☆ .....ہم بھی منقسم ہیں۔

☆☆☆☆☆

☆ ایک ذہن وہ سب کچھ چاہتا ہے جو آپ نہیں چاہتے۔

☆ اس کی پسند میں اغیار کی پسند شامل ہے۔

☆ وہ مخلوط اداروں کا فروغ چاہتا ہے۔

☆ اسے دوسروں کا طرزِ حیات مرغوب ہے۔

☆ اسے بے لگام انسانوں کی ثقافت چاہیے۔

☆ بے خدا معاشروں کے میعار چاہیں۔

☆ ہر وہ بات چاہیے جو بے حجاب بستیوں سے آتی ہے۔

☆ یہ اس کی ضرورت ہے اور یہ آپ کی ضرورت نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

☆ وہ اپنی پسند کو آزادی نسواں اور مساوات مرد و زن کا عنوان دیتے ہیں۔

☆ خود کو روشن خیال کہتے ہیں اور دوسروں کو تاریک خیال کہتے نہیں تھکتے۔

☆ رجعت پسند ہیں۔

☆ الفاظ کے یہ جنگل خاصے گھنے سہی،

☆ اور چاہے مقصود یہی ہو کہ اصل بات اس جنگل میں الجھی رہے۔

☆ لیکن یہ تو خود وقت ہے جو ان بحثوں سے بہت آگے نکل آیا ہے۔

☆ اب یہ موضوع محدود اور مقید نہیں رہا۔

☆ یہ قیدی آج آزاد ہے۔

☆ حقائق اس کے ساتھ ہیں۔

☆ اور یہ حقائق اپنا سوال خود سامنے لا رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

۷۷۔ مظفر بیگ، حاصل، ص ۱۲۸

☆ سوال یہ ہے۔
☆ کہ جو ثقافت، جو رہن سہن، جو رنگ دھنگ انہیں پسند ہیں،
☆ ایسا کیوں ہے کہ وہی ہر استعمار کو بھی پسند ہیں۔
☆ ان طور طریقوں کو ہمارے تمام مخالف ہمارے ہاں جاری وساری دیکھنا چاہتے ہیں۔
☆ ہمارا استحصال کرنے والے ہمارے ہاں اسی ثقافت کی بالا دستی چاہتے ہیں۔
☆ اور یہی وہ ثقافت ہے جو ہمارے دین کے دشمنوں کو بھی پسند ہے۔
☆ .....ایسا کیوں ہے؟
☆ وہ اپنے جیسا مخلوط معاشرہ ہمارے ہاں دیکھنا چاہتے ہیں؟
☆ جو ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی میں صدیوں پیچھے رکھنا چاہتے ہیں۔
☆ لیکن اپنی ثقافت ہم پر لٹانے کے معاملے میں اتنے فراخ دل کیوں ہیں؟
☆ یہ سوال صرف اتنا ہی ہے۔۷۸؎

آیئے ! ہم وہ معاشرہ قائم کریں جو اسلام کی قدروں کا امین ہو۔ جس میں قوانین کی حرمت بحال ہو، خواہ وہ ملکی نظام چلانے کے قوانین ہو، یا خاندانی نظام کو بحال کرنے کے۔

ہم قوانین کے عدم نفاذ کو اِن کی کمزوری تصور نہیں کریں گے کیونکہ کمزوری قوانین میں نہیں، اِن کے نفاذ میں ہے۔ اس لیے ہم قوت نافذہ کی اصلاح کریں گے۔

آیئے ! ایک ہوجائیں، متحد ہوجائیں تاکہ خاندان اوراِس کے تقدس کو بچاسکیں۔ عورت کو بچاسکیں۔ مستقبل کو بچاسکیں اور سب سے بڑھ کر انسانیت کو بچاسکیں۔ جسے اِس کے جدید علمبرداروں ہی سے سب سے سنگین خطرہ لاحق ہے۔

قتل غیرت: دو انتہاؤں کے درمیان

بین الاقوامی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو محاذ کھولے گئے اور ان پر الزام لگانے اور انھیں انتہا پسند ثابت کرنے کے لیے جن دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے ان میں سے ایک مسئلہ قتل غیرت کا مسئلہ بھی ہے۔ اس طرح گویا کہ اسلام دشمنوں کو خاندان کے ادارے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایک مضبوط دلیل ہاتھ آجاتی ہے۔

دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو اس نام سے معاشرے میں جو قتل ہوتے ہیں ان کی وجہ بھی اسلامی تعلیمات سے لاعلمی ہے۔ اسلام معاشرے میں حیا اور عفت کا کلچر عام کرنے کے لیے پردے کی پابندی، مخلوط مجالس سے اجتناب، باہر نکلتے ہوئے بناؤ سنگھار اور خوشبو کی ممانعت، نوجوانوں کی شادی کی حوصلہ افزائی اور رسوم ورواج کے خاتمے جیسے اقدامات کرتا ہے تاکہ شادی کرنا آسان اور گناہ کرنا مشکل ہو۔ ان پابندیوں کے ہوتے ہوئے بے حیائی کا واقعہ پیش آنے کے امکانات ہی نہ ہونے کے برابر رہ جاتے ہیں، لیکن اگر خدانخواستہ پھر بھی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوجاتا ہے تو اس کی سزا کے لیے اسلام نے

۷۸۔ مظفر بیگ، حاصل، ص ۱۲۸

ایک قانونی طریق کار مقرر کیا ہے۔ مگر صورتحال یہ ہے کہ جب ایک مسلمان عورت شادی کرنے کے لیے معاشرتی رکاوٹوں کو توڑ کر گھر سے بھاگ کر نکاح کرتی ہے تو اُس گھر کے مرد غصہ، جوش یا غیرت میں آ کر اُسے جان سے مارنے کی کوشش کرتے ہیں یا مار دیتے ہیں۔ یہ گھناؤنا جرم ہمارے معاشرے میں دین سے دوری اور جہالت کی وجہ سے بڑھتا جا رہا ہے اور دنیا بھر پاکستانی معاشرے کی تنگ نظری اور 'عورت دشمنی' کے لحاظ سے رپورٹ ہوتا ہے۔ عورت معاشرے سے بغاوت کا اظہار کرتی ہے اور مرد انتقام اور غیرت کے ثبوت میں قتل کا جرم کرتا ہے۔ چونکہ عدالتیں قانون کی تشریح میں کسی ایک ضابطے کی پابند نہیں اس لیے کبھی عورت مظلوم ٹھہرتی ہے اور کبھی مرد۔

یہ مسئلہ اب قانون اور اُس کے عملی نفاذ کی کمزوری کے سبب انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیموں کے نظریات اور دستورِ پاکستان کے درمیان شدید تنازع کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ این جی اوز صرف عورت کی جان کی حفاظت چاہتی ہیں۔ غیرت، حیا، عزت وعصمت اور نکاح اُن کے نزدیک فرسودہ اخلاقی اقدار ہیں، جنہیں اب توڑنا ہوگا۔ اس وقت پاکستانی معاشرے میں مسلمان کے گرد اگرد ایک شدید رسہ کشی ہے۔ قتلِ غیرت بھی اس حوالے سے ایک اہم موضوع ہے۔ چنانچہ سطورِ ذیل میں اس کے حوالے سے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں اصلاح احوال کے لیے چند تجاویز پیش کی جائیں گی۔

اسلام میں سزا کا تصور

ہر اِس گناہ کے کام کا ارتکاب جس سے اللہ اس کے رسولؐ نے منع کیا ہے اور اس کے لیے سزا دی ہے یا کسی ایسے کام کو نہ کرنا جس کو نہ کرنے پر سزا دی جاتی ہے۔ اسلام میں جن جرائم پر سزائیں واجب ہیں، وہ سات ہیں:

۱۔ بغاوت
۲۔ ارتداد: مسلمان ہوکر دوبارہ کافر ہوجانا
۳۔ زنا
۴۔ قذف: زنا کا جھوٹا الزام لگا کر ثبوت پیش نہ کرسکنا
۵۔ چوری
۶۔ ڈاکہ، راہ زنی
۷۔ شراب نوشی، خمر

جرائم کی تقسیم شریعت کی رو سے تین اقسام پر مشتمل ہے۔

۱۔حدود ۲۔قصاص ودیت ۳۔تعزیرات

۱۔ حدود:

قرآن وسنت نے جن جرائم کی سزا مقرر کی ہے۔

۱۔چوری ۲۔ڈاکہ زنی ۳۔زنا ۴۔تہمت زنا (قذف) ۵۔شراب نوشی

۲۔ قصاص ودیت:

قصاص ودیت بھی حد میں شامل ہے۔ مگر قصاص کو حدود کی طرح حقوق اللہ نہیں بلکہ حقوق العباد میں شامل کیا گیا

ہے۔جس طرح تعزیز کو حد نہیں کہا جاسکتا اسی طرح فقہاء بھی قصاص ودیت کو حد نہیں کہتے''۔۷۹

۳۔ تعزیرات:

جن سزاؤں کو قرآن وسنت نے مقرر نہیں کیا بلکہ عدالت اور قاضی کے فیصلے پر منحصر رکھا گیا ہے وہ تعزیرات کہلاتی ہیں۔

قرآن وسنت نے حداور تعزیری سزاؤں کے لیے شرائط مقرر کی ہیں اور دنیائے عدل و قانون میں سب سے پہلا انقلابی اقدام یہ کیا ہے کہ نیت، ارادے اور قصد یعنی Intention کو جرم کا بنیادی رکن گردانا ہے۔اسلام میں سزا کا بنیادی تصور یہ ہے کہ معاشرہ امن وسکون اور پیار ومحبت سے رہے اور کوئی بھی غیر اخلاقی اور غیر انسانی فعل اور رویہ، سزا اور پکڑ سے نہ بچ سکے۔

حرمت خونِ انسانی اور شریعتِ اسلامیہ

﴿وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا﴾۸۰

''جو کسی مومن کا قصداً قتل کرے، اِس کی سزا جہنم ہے اور اِس میں ہمیشہ رہے گا۔ایسے شخص کے لیے اللہ کا غضب اور لعنت اور سخت عذاب ہے۔''

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا﴾۸۱

''اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کر دیا تھا جو شخص کسی کو بغیر اِس کے کہ وہ قاتل ہو یا زمین میں فساد برپا کرنے والا ہے کو قتل کر ڈالے تو گویا اِس نے تمام انسانیت کو قتل کر ڈالا اور جس نے ایک انسان کو زندہ رہنے میں مدد دی گویا اس نے تمام انسانیت کو زندہ کر ڈالا۔''

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایک انسان کی زندگی ختم کرنا دُنیا کا سب سے بڑا جرم ہے۔اس لیے کہ زندگی کائنات کا وہ سر بستہ راز ہے جس کی حقیقت صرف اللہ رب العالمین کے پاس کھلی اور عیاں ہے۔ساری دنیا کے سائنس دان مل کر بھی کوشش کرلیں تو وہ ایک مچھر میں زندگی نام کی شے پیدا نہیں کر سکتے کجا کہ وہ اشرف المخلوقات کی زندگی کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔زندگی دینا اور لینا صرف خالقِ کائنات کا کا ہے اور جو کوئی اس کام میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے دُنیا وآخرت میں اس کے لیے رسوا کن سزا مقرر کی ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ قتل ناحق انتہائی گھناؤنا اور قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتلِ ناحق اسلامی معاشرہ اور انسانیت کے حق میں سب سے بڑا جرم ہے۔

۷۹۔ عبدالمالک، سابق جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ، مراسلہ بنام سمیحہ راحیل قاضی، حدود آرڈیننس حقائق ومضمرات، ۲۰۰۲ء

۸۰۔ النسآء۴:۹۳ ۸۱۔ المآئدۃ۵:۳۲

غیرت کے نام پر قتل: قتل عمد کی ایک صورت

قانون قتل کے جواز کو عمومی مستثنیات کے حوالے سے معاف کرتا ہے مثلاً فوری اشتعال اور مجبوری اور اگر اس میں غیرت کا معاملہ بھی شامل ہو تو قتل کے لیے قاتل کو تحفظ دیتا ہے۔ جیسے بیوی، بہن، بیٹی یا ماں کی عزت وعصمت میں خلل پیدا ہو جائے تو فوری صدمہ یا اشتعال کی صورت میں غیرت پر قتل قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر قتل غیرت بہر حال قتل عمد ہے۔

کیونکہ اللہ نے زنا اور قتل دونوں کی سزائیں خود الگ الگ مقرر کی ہیں اور صرف حکومتِ وقت اور عدالت کو یہ اجازت دی ہے کہ انصاف، قانون اور گواہی کے تقاضے پورے کر کے سزا جاری کریں اور افراد قانون کو اپنے ہاتھوں میں نہ لیں۔ اللہ سب سے زیادہ غیرت والا ہے، اِس نے صحابہ کے حضورؐ سے پرزور اصرار پر لعان کا قانون قرآنِ مجید میں نازل کیا جب صحابہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اگر شوہر اپنی بیوی کو بدکاری کرتے دیکھ لے تو اُسے، اِس وقت مار دے یا کیا کرے؟ تو حضور اکرمؐ پر سورۃ نور کی آیت ۶ تا ۹ آیات نازل ہوئیں کہ وہ عدالت میں چار قسمیں کھائے گا کہ وہ اپنے الزام میں سچا ہے اور پانچویں قسم اُٹھائے گا کہ اللہ کی لعنت ہو اِس پر اگر وہ اپنے بیان میں جھوٹا ہو۔ اگر بیوی اعتراف جرم کر لے اس پر حد جاری ہوگی مگر اگر وہ چار قسمیں کھالے کہ یہ میرا شوہر جھوٹ بول رہا ہے اور پانچویں قسم یہ اُٹھائے کہ اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر یہ سچا ہو تو وہ سزا سے بچ جائے گی۔ اسے بری کر دیا جائے گا۔ یعنی شوہر کو ابھی اپنی بیوی کے قتل کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ قتل زنا سے بدتر اور بڑا گناہ ہے۔

قتلِ عمد کی تعریف اور شرائط

قتلِ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی خاص شخص کو کسی ایسی چیز سے قصداً مارے، جس سے مضروب بالعموم ہلاک ہوسکتا ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو پھر یہ قتل عمد کہلائے گا۔

''ایسا قتل ایسے ہتھیار یعنی تیز دھار آلہ، بندوق پستول یا آتشین اسلحہ سے مارنا ہے یا ارادتاً مار دیا جانا، آگ میں جلا دیا جانا یا پانی میں ڈبو دیا جانا مراد ہے''۔[۸۲]

قتل عمد کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ ایسا قتل کرنے والا قتلِ انسانی ارادتاً یا دیدہ دانستہ کرے۔

۲۔ ایسا زخم لگائے کہ اس زخم سے موت یقینی واقع ہو جائے۔

۳۔ ایسے اوزار یا ہتھیار سے قتل کرے، جس سے قتل کا وقوع ممکن ہو سکے۔

۴۔ اس قدر ضربات لگائے کہ موت واقع ہو جائے۔

یہ قتل مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر قتل عمد ہے:

۸۲۔ المدونۃ الکبریٰ ج ۱۶ ص ۱۰۸

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قتل اور زنا دونوں کو حدود میں شمار کیا ہے۔ دونوں کی سزا خود مقرر کی ہے۔ ایک حد کی جگہ پر کوئی دوسری سزا دینا (یعنی بجائے رجم کرنے کے قتل کر دینا) گویا اللہ تعالیٰ کے حق میں مداخلت ہے۔

۲۔ سزا کا نفاذ (خصوصاً حدود کے معاملات میں) کسی فرد کی نہیں، بلکہ حکومت وقت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ صرف وہی سزا دینے کی مجاز ہے۔ لہٰذا یہ قتل غیرت دراصل قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے جو شریعت کے احکام سے متصادم ہے۔

۳۔ عدالت کسی بھی معاملے میں قانونی پہلوؤں کو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ اور شہادت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد سزا کا نفاذ کرتی ہے اور عدالت کا قیام ہوتا بھی اسی مقصد کے لیے ہے۔ اگر کوئی شخص بطور خود سزا نافذ کرنے لگے تو عدل، قانون، شہادت وغیرہ کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے۔

۴۔ قتل بہرصورت زنا سے بڑا گناہ ہے۔ سورۃ فرقان کی آیت 68 کے مطابق عباد الرحمٰن کی صفات میں ذکر ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ ۸۳

''وہ لوگ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں پکارتے اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور وہ بدکاری بھی نہیں کرتے۔''

پھر سورۃ النساء آیت ۹۳ میں اللہ نے قتل عمد کرنے والوں کو چار سخت سزاؤں کی وعید سنائی ہے۔ ان میں دائمی جہنم، اللہ کا غضب، اس کی لعنت اور عذاب عظیم شامل ہیں۔

ان احکام کی روشنی میں زانی کو قتل کرنا چھوٹے گناہ کے مقابلے میں بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ جو شخص ایک بار قتل ہوجائے وہ کبھی دنیا میں واپس نہیں لاسکتا۔ یہی امر قتل کے سنگین جرم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ رجم کرنا بھی تو ایک قسم کا قتل ہے مگر رجم ایک مخصوص انداز کی سزا ہے جسے صرف عدالت نافذ کرسکتی ہے۔ وہ بھی صرف اس قت جب ثبوت اور گواہیاں مکمل ہو جائیں اور جس کا پورا ہونا عمومی حالات میں ایک امر محال ہے۔ پھر بھری مجلس میں سزا کا نفاذ کیا جاتا ہے تاکہ عوام الناس کو عبرت ہو اور وہ گناہ سے نفرت کریں جبکہ یوں خاموشی سے قتل کر دینے سے شرعی حد کی حکمت اور عبرت کا تقاضا مکمل نہیں ہوسکتا۔

۵۔ قتل کسی بھی وقت اشتعال میں آکر فوراً ہوجاتا ہے جبکہ زنا کا ارتکاب یکدم نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے کافی مدت کی غیر شرعی دوستیاں اور شناسائیاں موجود ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ زنا کے محرکات کے ظہور کے بعد ہی اصل زنا کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ ولی حضرات باپ، بھائی، شوہر وغیرہ تب کہاں ہوتے ہیں۔ وہ عورت کے نگران ہیں۔ ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ عورت کو بے حجابی سے روکیں، نامحرموں سے میل ملاقات پر پابندی لگائیں، مخلوط تقریبات میں نہ جانے دیں، گھر کے ماحول کو بھی ہیجان انگیز میڈیا سے بچائیں۔ یہ سب کچھ نگران مردوں کی لاعلمی، چشم پوشی اور مجرمانہ غفلت پر پردہ ڈالنے کے لیے عورتوں کو قتل کی بھینٹ چڑھا دینا کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے۔ مردوں

۸۳۔ الفرقان ۲۵:۶۸

کو چاہیے کہ وہ کسی بڑے گناہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے قبل ہی آنکھیں کھلی رکھیں اور عورت کی چال ڈھال، میک اپ، بے حجابی، بغیر ضرورت باہر کی چلت پھرت سے روکیں۔ اگر کوئی نامناسب حرکت محسوس کریں تو اس کے سدباب کے لیے زبانی طور پر، ہاتھوں سے اور پابندیوں سے اسے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

خود اللہ تعالیٰ نے زنا سے روکتے ہوئے **لاتقربوا الزّنا** (زنا کے قریب نہ جاؤ) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ **لا تفعلو الزّنا** (زنا نہ کرو) کے الفاظ بیان نہیں کیے۔ کیونکہ زنا کا صدور آخری مرحلہ ہے اور اس سے بچنے کے لیے اسلام نے احکام ستر وحجاب اور احکام استیذان اسی لیے ضروری قرار دیے ہیں۔

بین الاقوامی دستاویزات میں غیرت کا مفہوم

انسانی تاریخ میں ایسی جنگوں اور لڑائی کا تذکرہ سب سے زیادہ ملتا ہے جو افراد کے درمیان، قبائل میں، برادریوں اور خاندانوں میں اور اقوام کے مابین ہوئیں اور ان کی بنیادی وجہ غیرت تھی۔ غیرت بہت وسیع مفہوم کا لفظ ہے اور اس غیرت نے انسانی تاریخ کو بارہا تبدیل کیا ہے۔ ہابیل اور قابیل کی بیان کی جانے والی اولین تگ وتاز نے خونریز تصادم کی صورت میں پہلے انسانی خون سے اس زمین کو سرخ کیا۔ آج بھی غیرت بے شمار صورتوں میں ہمارے سامنے ہے۔ اقوام کی جنگ ہو، افراد کے تنازعات ہوں، خاندانوں کے مسائل ہوں، ہمیں غیرت، عزت، آبرو اور شخصی وقار بہت اہم اور متحرک عامل کے طور پر نظر آتے ہیں۔[۸۴]

بین الاقوامی تعلقات میں ایسے اعلانات، کنونشز اور اعلامیے موجود ہیں جن میں غیرت کی تعریف کی گئی ہے۔ انسانی حقوق کا بین الاقوامی ڈیکلریشن سیکولر اصولوں پر اس کی وضاحت کرتا ہے۔ مختلف بڑے مذاہب نے بھی اس کی تعریف، حدود اور اثرات متعین کیے ہیں۔ آیئے ان کا ایک نظر میں جائزہ لیتے ہیں

☆ بین الاقوامی حقوق انسانی کا ڈیکلریشن اپنے آرٹیکل 12 میں بیان کرتا ہے کہ:

> ''کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کی نجی زندگی میں کسی طرح سے بھی مداخلت کرے، اس کے خاندان کو خوفزدہ کرے، اس کے گھر یا اسباب کو خراب کرے۔ نہ اسے یہ حق کہ وہ اس کی غیرت اور شہرت کو داغدار کرے، اس پر حملہ آور ہو۔ ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانون کا تحفظ حاصل کرے اور ایسی کسی بھی سرگرمی سے خود کو محفوظ رکھ سکے، بچا سکے۔''[۸۵]

اس اصول کے تحت نجی زندگی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ایک فرد کی نجی زندگی اور ایک خاندان کی نجی زندگی میں بھی واضح امتیاز ہے۔ فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاندان کے فیصلوں، اقدار، روایات سے بغاوت کرکے اپنی راہ متعین کرے۔ اسی طرح سے اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ مذہب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرسکے تاکہ دوسروں کے حقوق متاثر نہ ہوں یا ان پر اجتماعی زد نہ پڑے۔

اس اصول کے تحت ہر مرد اور ہر عورت کو ہر طرح کے تعلقات کا حق حاصل ہے کسی پر خاندان، قبیلے یا قوم کی

۸۴۔ مرزا الیاس، مسئلہ غیرت: ماہنامہ آئین، جنوری ۲۰۰۷، ص ۶۲

۸۵۔ بین الاقوامی حقوق کا ڈیکلریشن۔ آرٹیکل ۱۲

غیرت کا بار یا ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر ایک عورت ایسے تعلقات استوار کرے جن کی خاندان، معاشرہ اور مذہب اجازت نہیں دیتے تو اسے یہ حق حاصل رہے گا، اس سے یہ حق سلب نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری طرف مذہب کا مطالبہ یہ ہے کہ نسل انسانی کو ہر صورت میں خالص رہنا چاہیے۔ اس میں ایسی آمیزش نہیں ہونی چاہیے جس سے آئندہ نسل کسی نوعیت کی شرمندگی یا معذرت خواہی سے دو چار ہو۔ مذہب اسے فرد کے حوالے سے بھی نامناسب قرار دیتا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا فرد اپنے مفاد کے لیے دوسرے فریق کے حقوق سلب کرتا ہے۔ یہ حقوق رضا مندی سے سلب ہوں یا جبری طور پر ایسا ہو، ہر صورت میں یہ غلط ہے اور اس سے نظام فطرت بھی متاثر ہوتا ہے۔

☆ یونیورسل اسلامک ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس (1981ء) کی دستاویز کے دیباچے میں یہ نکتہ درج ہے:

''ان حقوق کا مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کو غیرت اور وقار مل سکے، استحصال، ظلم اور ناانصافی کے خلاف تحفظ مل سکے۔ جیسا کہ الٰہی قانون نے یہ ضمانت دی ہے کہ نوع انسانی کو غیرت اور وقار کا تحفظ حاصل رہے گا اور اس قانون کو اس طرح سے بنایا گیا ہے استحصال، ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ ہو۔ ایسے حالات کی ضمانت دی جائے گی کہ خاندان کے ادارے کو محفوظ کیا جائے، اس کو فروغ دیا جائے اور تمام تر معاشرتی زندگی میں اس کی غیرت اور عزت کو محفوظ بنایا جائے۔'' ۸۶

اسی طرح سے اس کے آرٹیکل 8 میں غیرت وعزت اور شہرت کے تحفظ کی بات کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

''ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عزت اور شہرت کا کسی بھی بہتان یا بے بنیاد الزامات کے مقابلے میں دفاع کرے یا ایسی حرکتوں سے خود کو بچائے جو اس کی شہرت کو داغدار کریں یا اسے بلیک میل کر سکیں۔'' ۸۷

☆ امریکن کنونشن آف ہیومن رائٹس (1969ء) آرٹیکل 11 میں کہا گیا ہے:

''فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی غیرت کا تحفظ ہو اور اس کا وقار تسلیم کیا جائے۔ کسی بھی فرد کی نجی زندگی میں ظالمانہ یا الزامی مداخلت کا کسی کو حق نہیں ہے، نہ ہی اس کے خاندان، اس کے گھر یا اس کے متعلقات میں ایسی مداخلت کی جا سکتی ہے۔ اس کی عزت اور شہرت پر ایسی ہر سرگرمی حملہ تصور ہوگی جو قانون کے متعین کردہ دائرے سے باہر ہے۔'' ۸۸

غیرت کا کلچر اور ضابطہ

جدید معاشرے میں غیرت کے کلچر نام کی کوئی شے باقی نہیں ہے۔ جدید مغربی معاشرے کا کہنا ہے کہ طبقہ اشرافیہ کے خاندان خود کو قانون کے محافظ سمجھتے ہیں جبکہ نچلے طبقات قانون توڑتے ہیں۔ ان میں غیرت کا تصور بدلتا رہتا ہے۔ غیرت کے نام پر قتل بھی نچلے طبقات کا معاملہ ہے۔

۸۶۔ یونیورسل اسلامک ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس، ۱۹۸۱ء، دیباچہ

۸۷۔ یونیورسل اسلامک ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس، ۱۹۸۱ء، آرٹیکل ۸

۸۸۔ امریکن کنونشن آف ہیومن رائٹس ۱۹۶۹، آرٹیکل ۱۱

ہم دیکھتے ہیں کہ خواہ جدید معاشرہ ہو یا مذہب اور تہذیب کے اصولوں سے بندھا معاشرہ، غیرت اور عزت کے ہر دور میں مقدم سمجھا گیا ہے۔ اس طرح کے ضابطے تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں جن میں غیرت کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے، بعض تہذیبوں میں باقاعدہ علامتی طور پر ایک فرد کو خاندان، قبیلے یا گروہ کی غیرت قرار دیا جاتا تھا۔ سردار، سربراہ خاندان یا بادشاہ کی عزت کو غیرت سمجھا جاتا تھا اور ایسا آج بھی ہے۔ خون کے رشتوں میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ تھی اور آج بھی ہے۔ اسے محض وڈیرہ کلچر یا جاگیرداری کا کلچر کہہ کے مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ مغرب کا یہ تصور ہے:

''.....جدید دور میں غیرت یا عزت ایک غیر متعلقہ قدر ہے جس کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن مغرب کے ہی بعض مؤرخین اور ماہرین تحقیق کا کہنا ہے کہ غیرت کا جوہر باقی ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سے وابستہ تمام اقدار ختم ہو چکی یا ہو رہی ہیں۔.....امریکہ کے جنوب میں ریاستوں میں غیرت کو نسل کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔ بعض مواقع پر اسے ہتک عزت کہا جاتا تھا اور اس کا جواب تشدد اور جارحیت سے دیا جاتا تھا۔ امریکہ کی ابتدائی سیاسی زندگی میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ غیرت ایک بنیادی قدر تھی جس نے سیاسی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ تب غیرت کے لیے مرتب کیے گئے ضابطہ جات بہت مستحکم تھے۔ خود امریکی تاریخ میں یہ بات ایک سے زیادہ مقامات پر سامنے آئی ہے کہ اس کے فوجی مقامی آبادیوں کے خلاف جنگ میں اس لیے کود پڑتے تھے، کیونکہ یہ ان کی غیرت کا مسئلہ بن جاتی تھیں۔ اس بات پر آمادہ ہو جاتے تھے کہ میدان میں اتریں، ماریں یا مر جائیں ..... آج عراق اور افغانستان کی جنگوں میں امریکہ تمام تر نقصانات کے باوجود اس لیے موجود ہے تاکہ وہ اپنی شہرت کو بچا سکے، اپنی غیرت کو دوام دے سکے۔ جب اس وسیع پیمانے پر جنگ وجدل کے میدان غیرت کے نام پر انسانی قتل عام کا مرکز بنتے ہیں تو کیا ایک خاندان، قبیلے یا قوم کی غیرت کوئی حیثیت نہیں رکھتی؟[۸۹]

آج امریکی اور یورپی دانش وروں کو یہ شکوہ ہے کہ غیرت تو ان معاشروں نے بچا کے رکھی ہے جو مذہب کے معاشرے تھے یا آج بھی مذہب کے معاشرے ہیں۔ ان کے خیال میں سپین کے غیرت کے کلچر میں اسلام کی باقیات کے اثرات موجود ہیں۔ عرب کلچر پورے کا پورا اسلام کے زیر اثر ہے لیکن جرمن کلچر ہو یا فرانس کا پیدا کردہ کلچر ہو، وہاں کس نے یہ بیج بویا۔ مغرب اس کا جواب دینے سے عاجز ہے۔

تاریخی اعتبار سے تقریباً ہر معاشرے میں خاندان کی غیرت کو عورت سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ عورت کے جنسی رویوں سے اس کی ترتیب وساخت بنتی اور بگڑتی رہتی ہے۔ ہر تہذیب نے یہ مطالبہ عورت سے کیا ہے کہ وہ اپنی عصمت کا تحفظ کرے گی، وہ اپنے کنوارے پن کو شادی تک محفوظ رکھے گی۔ وہ جب تک کسی فرد سے رشتہ ازواج میں رہے گی، اس کی زندگی میں دوسرا فرد نہیں آئے گا۔ تحریک نسواں نے اس بنیادی تعریف کو چیلنج کیا اور کہا کہ ہر عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جسم کی ملکیت کا آزادانہ استعمال کرے۔

سیکولر معاشرہ کہتا ہے کہ یہ تمام باتیں ہی بے کار ہیں جب غیرت کا سوال ہی نہ رہے۔ جب غیرت کو متروک سمجھا

۸۹۔ مرزا الیاس، مسئلہ غیرت: ماہنامہ آئین جنوری ۲۰۰۷، ص ۲۷-۴۷

جائے گا تو کسی متروک شے یا قدر کا بدلہ، انتقام یا سزا کیا معنی پا سکے گا؟

ان رویوں کو سامنے رکھ کر خود فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ فرد کو حدود میں رکھنے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ وہ گھر کے اندر اور خاندان کے دائرے میں رہے۔ خاندان اس کی تربیت کرتا ہے، اسے شادی کے بندھن میں لا کر اس کی آوارگی کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، روکتا ہے اگر اسے مغرب شخصی آزادی کے مترادف نہیں بلکہ خلاف سمجھتا ہے تو یہ اس کا نظریہ ہے اور اس کا نتیجہ بھی سامنے ہے۔

قتل غیرت، بین الاقوامی تناظر میں

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی متعدد رپورٹوں اور قرار دادوں میں بچوں اور خواتین کے خلاف سنگین جرائم پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ بیجنگ پلیٹ فارم اور بیجنگ پلس فائیو کی حتمی دستاویز اور ان کے بعد کے اجلاسوں میں ان سنگین نوعیت کے جرائم کے خاتمے پر زور دیا گیا ہے۔ جنرل اسمبلی کی قرار داد (A/RES/55/68) میں ان جرائم کی تفصیل یوں دی گئی ہے:

☆..... لڑکیوں کا تجارتی پیمانے پر جنسی استحصال
☆..... عورتوں کا تجارتی وجنسی استحصال
☆..... عورتوں اور بچوں کی سمگلنگ
☆..... خواتین کا قتل
☆..... غیرت کے نام پر کیے جانے والے جرائم
☆..... عشق (Passion) کے جرائم
☆..... نسلی بنیادوں پر ہونے والے جرائم
☆..... بچوں کا اغوا اور خرید وفروخت
☆..... جہیز کی وجہ سے ہونے والا تشدد اور اموات
☆..... تیزاب پھینکنے کا جرم
☆..... نقصان دہ روایات
☆..... اوائل عمر کی شادی[۹۰]

جنرل اسمبلی نے اسی دن (31 جنوری 2001ء) کو ایک اور قرار داد (A/RES/55/66) بھی منظور کی۔ جس میں ان جرائم کے خلاف بین الاقوامی برادری، این جی اوز، حکومت اور دیگر اداروں اور تنظیمات کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ:

☆ ''وہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری طرح سے ادا کریں۔ اس سلسلے میں حتمی دستاویز کی سفارشات پر عمل درآمد کریں۔ یہ حتمی دستاویز (Outcome Document) ایک بنیادی

۹۰۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرار داد (A/RES/55/68) ۳۱ جنوری ۲۰۰۱ء بحوالہ مرزا الیاس: قتل غیرت بین الاقوامی تناظر میں، ص ۶۶؛ ماہنامہ آئین مارچ ۲۰۰۷ء

دستاویز ہے اسے جنرل اسمبلی کے 23ویں سیشن میں منظور کیا گیا تھا۔

☆ خواتین کے خلاف جرائم بشمول جرم غیرت کے ازالے، خاتمے اوراس کے ذمہ داروں کو عدالت کے کٹہرے میں لانے کے لیے جملہ اقدامات کیے جائیں۔ان مقاصد کے لیے خصوصی قانون سازی کی جائے،نصاب تعلیم کا اسے حصہ بنایا جائے، معاشرتی امور میں اسے اہم تقاضا قرار دیا جائے۔معلومات کا آزادانہ تبادلہ ہو، رائے عامہ کے راہنماؤں کواس میں شامل کیا جائے تاکہ بیداری پیدا کرنے کی مہمات کو کامیاب کیا جاسکے۔

☆ خواتین کے خلاف جرائم،قتل غیرت اور دیگر خلاف ورزیوں کے خاتمے کے لیے لازمی ہے کہ ان تمام اقدامات، پروگراموں، ترغیبات، رابطوں اور وعدوں کو بروئے کار لایا جائے جن کی مختلف دستاویزات، کانفرنسوں اور اجلاسوں میں سفارشات کی گئی ہیں۔ان امور پر ہونے والے کنونشنز کے مندرجات پر عمل کیا جائے۔

☆ ان جرائم سے متاثرہ خواتین کی ضروریات اور مسائل کا خیال رکھا جائے، ان کو مناسب طبی و دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں۔قانونی امور میں ان کی مدد کی جائے، ان کو مناسب تحفظ دیا جائے،ضروری مشاورت دی جائے اور ان کی پھر سے روزمرہ زندگی کی طرف بحالی کے پروگراموں کو شروع کیا جائے۔

☆ ایسے بین الاقوامی،قومی اور علاقائی طریقے اور ضابطے وضع کیے جائیں جن سے ایسے جرائم کی بروقت رپورٹنگ ہوسکے، بااعتماد ماحول فراہم کیا جاسکے اور حکومتیں اعداد وشمار پر مبنی قابل اعتماد معلومات بھی فراہم کریں۔

☆ ان جرائم کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ، اس کے مختلف اداروں اور متعلقہ حکومتوں میں رابطہ اور تعاون بڑھایا جائے تاکہ یہ جرائم دوبارہ نہ ہوسکیں''۔[۹۱]

ان سفارشات میں جن اقدامات کا ذکر ہے، ان کی غالب افادیت جرم کے سرزد ہونے کے بعد کے لیے ہے۔ اصل مسئلہ تو جرم کو روکنا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جرم کے شکار انسانوں کو معاشرتی زندگی کا مفید حصہ بنایا جائے۔تاہم اس ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ بہترین حکمت عملی جرم کو روکنا ہے۔ یہ اقدامات جرم کی نوعیت اور شدت کو کم نہیں کرسکتے۔اس لیے خواتین کو شکار بننے سے روکنا چاہیے۔

قتل غیرت اور مغرب کا رویّہ

اس قرارداد کی روشنی میں جنرل اسمبلی نے سیکرٹری جنرل سے کہا کہ وہ عورتوں کے خلاف جرائم کی روک تھام کے بارے میں رپورٹ پیش کریں۔ سیکرٹری جنرل نے اسمبلی کے ۵۷ویں اجلاس میں یہ رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ (A/57/169) سیکرٹری جنرل نے 2 جولائی 2002 کو پیش کی تھی۔[۹۲]

اس رپورٹ میں جن محرکات کو ان جرائم کی بنیاد قرار دیا گیا، ان میں مذہب، کلچر،قبیلہ، ماحول اور دیگر شامل تھے۔ تاہم یہ رپورٹ اس اعتبار سے اہم تھی کہ بعض ممالک نے سرے سے ہی ان جرائم کے وقوع پذیر ہونے سے ہی انکار کردیا۔

۹۱۔ مرزا الیاس،مسئلہ غیرت : ماہنامہ آئین ،جنوری ۲۰۰۷ء:ص۱۰۰-۱۰۳

کچھ ممالک نے کہا کہ یہ جرائم تو ہورہے ہیں لیکن ان کے نظام قانون میں ان کے بارے میں کوئی خصوصی درجہ نہیں ہے۔ ایسے ممالک نے کہا کہ ان کے ہاں اس طرح کے جرائم کی مخصوص تاریخ نہیں ہے۔ تاہم ان کے ہونے سے انہوں نے انکار نہیں کیا۔

سیکرٹری جنرل کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کا ایک حصہ عورت کے خلاف جرائم کا مرکز ہے، دوسرا حصہ سمجھتا ہے کہ بس وہی عورت کے تحفظ کا محور رکھتا ہے۔ جس حصے میں عورت کے خلاف جرائم ہورہے ہیں، وہ عالم اسلام سے منسوب کیا جاتا ہے، جس حصے سے عورت کے حق میں آوازیں بلند ہورہی ہیں وہ جدید دنیا یا امریکہ اور یورپ ہے۔ امریکہ اور یورپ میں عورت کے خلاف جرائم مخصوص تہذیبی اور معاشرتی پس منظر میں وہ نوعیت کھو دیتے ہیں، جو ایشیا اور افریقہ کے مخصوص تہذیبی اور معاشرتی پس منظر میں نمایاں کردی جاتی ہے۔

''اس رپورٹ میں جو مؤقف پیش کیا گیا، اسے سامنے رکھیں اور پاکستان میں 2000ء میں ضلعی حکومتوں کے انتخابات میں 33 فیصد عورتوں کی نمائندگی اور پھر 2002ء کے انتخابات میں قومی وصوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی کو دیکھیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ حکومت پاکستان کے خواتین کو بااختیار بنانے کے اعلانات کی اصلیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عالمی ایجنڈے کا حصہ ہے۔ امریکی حکومت کے عورت کے خلاف اقدامات بھی سامنے لائے جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جن اقدامات کو یہ حکومتیں اپنے ہاں تجارتی اور کاروباری مفادات کے لیے رکاوٹ سمجھتی ہیں، ان کو ترک کرتے ہوئے عورت کی برابری کا تصور فراموش کردیتی ہیں۔ ایک تجربہ یورپ اور امریکہ میں ناکام ہوجاتا ہے تو اسے ایشیا اور افریقہ میں نافذ کرا دیا جاتا ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بنک کی امداد سے ہمارے عدالتی ڈھانچے میں کوئی ایسی تبدیلی نظر نہیں آتی جس نے انصاف کی عورت تک رسائی آسان بنایا ہو۔''[۹۳]

یہ دیکھنا ہوگا کہ خاندان، کلچر اور تہذیب کے دائروں میں اسے پڑنے والی دراڑیں کیا ہیں، اس معاملے کو انسانی بنیادوں پر دیکھنے سے زیادہ قبائلی اور سیاسی مفادات میں تلاش کرنا اس کی سنگینی میں مزید اضافہ کررہا ہے۔ مغرب کے میڈیا کے انداز نے مشرق کے خاندان کو خوف زدہ کیا ہے۔ یہ خاندان مزاحمت کررہا ہے۔ اس مزاحمت کی وجہ قتل غیرت کی حمایت سے زیادہ یہ خوف ہے کہ مشرق کے خاندان کو ہدف بنایا جارہا ہے۔ برطانیہ کے تناظر میں عائشہ گل نے ایک جائزہ اس حوالے سے پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک طرح کی اخلاقی برتری ثابت کرنے کے بنیادی ہدف کے ساتھ ایسے واقعات کو مختلف انداز سے بیان کیا جارہا ہے۔ اس انداز کی وجہ سے ایک مخصوص تہذیب یا کلچر نشانہ بن رہا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

'' غیرت کے نام پر ہونے والا تشدد مختلف تہذیبوں اور معاشروں میں ہورہا ہے۔ یہ ایک تاریخی اور انتہائی مخصوص معاملہ ہے۔ ذرائع ابلاغ نے اپنی توجہ نام نہاد قتل غیرت پر مرکوز کر رکھی ہے۔ غیرت کے

۹۲۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے اسمبلی کے ۵۷ ویں اجلاس میں ۲ جولائی ۲۰۰۲ء کو رپورٹ نمبر (A/57/169) پیش کی۔

۹۳۔ مرزا الیاس، قتل غیرت بین الاقوامی تناظر میں: ماہنامہ آئین مارچ ۲۰۰۷، ص ۶۵

نام پر ہونے والے جرائم میں صرف قتل ہی شامل نہیں ہے۔ دیگر جرائم بھی ہیں۔ ان میں جلدی اور کم عمری کی شادی، جبری شادی، بہنوں اور بیٹیوں کا غلاموں کی طرح فروخت کردیا جانا، ان کے مخصوص اعضاء کی قطع برید، آزادی سے محروم کیا جانا، تعلیم اور حلقہ احباب سے دور کیا جانا بھی شامل ہیں۔ غیرت کے جرائم کی بنیاد یہ ہے کہ اس طرح سے خاندان یا طبقات کی غیرت کو محفوظ کیا جائے۔ اس کا شکار غالب طور پر عورت بنتی ہے۔ اور ان کا ارتکاب کرنے والے عام طور پر مرد رشتہ ہوتے ہیں جن میں باپ بھائی، شوہر اور بعض واقعات میں بیٹے بھی شامل ہیں۔''[۹۴]

اس ابتدائی تعارف کے بعد وہ ذرائع ابلاغ کے کردار کو ہاشو یونس کے واقعہ کے ذریعہ بیان کرتی ہیں۔ یہ واقعہ ستمبر 2003ء کا ہے۔ مغربی لندن میں پیش آنے والے اس واقعہ میں ایک باپ نے اپنی بیٹی کو خنجر کے پے در پے حملوں سے قتل کردیا۔ بیٹی نے منع کرنے کے باوجود اپنے بوائے فرینڈ سے علیحدگی اختیار نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر مونا صدیقی نے اس قتل پر ایک مضمون لکھا تھا۔

ڈاکٹر مونا صدیقی نے ایک باپ کا بیٹی پر یوں حملہ آور ہونا کسی بھی مذہبی اصول یا تقاضے کے یکسر متضاد بتایا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا:

''برطانیہ میں ایسے حالات میں کسی کو قتل کرنا ہم سے سوال کرتا ہے کہ کیا یہ بالکل ایک اجنبی تصور نہیں؟ ہر سوپ میں لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ آپ محسوس کریں کہ آپ سے دھوکہ ہوا ہے تو کسی کو قتل کرنے میں آپ حق بجانب ہوں گے۔ آپ ایسا سوچ سکتے ہیں، کرسکتے ہیں۔''[۹۵]

''عدالت میں ہاشو (لڑکی) کا اپنے والد (یونس) کے نام خط پیش کیا گیا جو اس نے قتل ہونے سے پہلے لکھا تھا۔ لڑکی نے لکھا:

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ میں وہ نہ بن سکی جیسا آپ چاہتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ ایسا ہے جسے اب آپ تبدیل نہیں کرسکتے۔ آپ ایک بوڑھے آدمی کو مکّا ماریں یا ٹھوکر ماریں تو آپ میں اس کی طاقت ہوگی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ پر اپنی طاقت آزماتے ہوں گے تو لطف اندوز ہوتے ہوں گے۔ مجھے آپ سے زدوکوب ہوکر بہت مزہ آتا ہے۔''

عبداللہ یونس نے عدالت سے استدعا کی کہ اس نے اپنے تاج کا قیمتی ہیرہ توڑ دیا ہے۔ مجھے اس جرم میں سزائے موت دے دی جائے۔

عائشہ نے اس واقعہ کو ایک کیس اسٹڈی بنا کر برطانوی میڈیا کے کردار پر بات کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ میڈیا ان واقعات کو ایک خاص رنگ دینے کے لیے مخصوص اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔

''اس طرح سے مسلم پس منظر والی نوجوان عورتوں کے تجربات بیان کیے جاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں

۹۴۔ عائشہ گل، برطانوی اخبار ''دی مرر'' ۲۰۰۳ بحوالہ مرزا الیاس، قتل غیرت بین الاقوامی تناظر میں، ماہنامہ آئین مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۷۹

۹۵ Dr. Mona Siddiqui: Where is the honor in Murder, Cunningham: 12: 2003

یہ تأثر عام دیا جاتا ہے اور غیرت کے جرائم ایک وبا کی طرح پھیل رہے ہیں''۔۹۶

عائشہ گل نے ہاشو یونس کے معاملہ میں برطانوی میڈیا کا کردار مختلف اخبارات و جرائد کے اقتباسات سے بھی پیش کیا ہے۔ دی مرر نے باپ کو Fanatic Father لکھا اور اپنے قارئین کو بتایا کہ:

''اس ملک میں ہمارے کرنے کا کام بہت زیادہ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ دوسرے مذاہب اور قوموں کو سکھائیں کہ رواداری کیا ہے۔ لیکن یہ ایک یکطرفہ گلی نہیں ہے۔ ہم جب دوسرے مذاہب میں جنونیت کو دیکھتے ہیں تو صاف لگتا ہے کہ اس کا تعلق کسی اور زمانے سے ہے۔ یہ درست ہے کہ ہمیں برداشت کرنا چاہیے۔ لیکن اپنی ہی بیٹی کو قتل کرنے سے کم رواداری بھی کیا ہوگی اور وہ بھی اس لیے کہ اس نے ایک مسیحی نوجوان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کرلیا تھا''۔۹۷

قتل غیرت کا سد باب کیسے؟

قتل غیرت کے سد باب کے لیے پہلے قتل غیرت کے اسباب تلاش کرنے ہوں گے۔

ہندوستان ٹائمز میں ڈاکٹر بھاسکر داس گپتا لکھتے ہیں:

''آیئے ایک واضح تعریف متعین کرتے ہوئے اس کا آغاز کرتے ہیں، قتل غیرت عورت کا ایسا قتل ہے جو اہل خانہ کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسا کرکے اس بدنامی کا داغ کسی حد تک دھو سکتے ہیں جو قتل ہونے والی عورت کے کردار کی وجہ سے لگ گیا ہے۔ قتل غیرت کو قتل عشق سے الگ کرنا ضروری ہے جو لاطینی امریکہ میں ہورہا ہے۔ بھارت کی طرح کے ممالک میں جہیز کی وجہ سے اموات ہورہی ہیں یا امریکہ جیسے ممالک میں جہاں آبروریزی اور قتل کے واقعات کا عورت نشانہ بن رہی ہے۔ ہم خصوصیت سے قتل غیرت کا مطالعہ کررہے ہیں یہ قتل عشق سے بالخصوص مختلف ہیں۔ آبروریزی، قتل، دلہن کو جلا دینا یا جہیز نہ لانے پر مار دینا عام واقعات ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قتل غیرت، قتل عشق کے مقابلے میں مادی رجحانات کی وجہ سے بھی ہورہا ہے اور جنسی بے راہروی بھی اس کی بڑی وجہ ہے۔''۹۸

خاندان کی غیرت پر لگنے والے اس داغ کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر شادی سے پہلے یا شادی کے بعد غیر مرد سے تعلقات، طے شدہ شادی سے انکار، ایک بدزبان شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش یا کسی ایسے مرد سے بات کرنا جو خاندان میں سے نہ ہو۔ یہ سب اسباب اپنی جگہ، لیکن یہ مسئلے تب بنتے ہیں جب یہ عام ہوجائیں۔ ایسی صورت میں خاندان بدنام ہوتا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ الزامات کوئی قانونی درجہ نہیں رکھتے۔ لوگوں میں ہونے والی کھسر پھسر، کسی کے افواہ پھیلانے کے عمل یا کسی کے احمقانہ طرز عمل سے ایسی بات پھیل جاتی ہے۔ آپ معاملے کی حقیقت کو ایک طرف رکھیں۔ عام طور پر الزام تراشی ہی کافی ہوتی ہے اور قتل غیرت کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹوں سے یہ

۹۶۔ یونیورسل اسلامک ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس، ۱۹۸۱ء، دیباچہ

۹۷۔ یونیورسل اسلامک ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس، ۱۹۸۱ء، آرٹیکل ۸

۹۸۔ مرزا الیاس، مسئلہ غیرت: ماہنامہ آئین: جنوری ۲۰۰۷، ص ۷۹

بات بھی سامنے آتی ہے کہ جنسی بے راہروی کے الزام میں ماری جانے والی اکثر لڑکیاں قتل کے وقت بھی کنواری ہوتی ہیں۔''[۹۹]

ڈاکٹر بھاسکر نے اس کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''قتل غیرت کے اس معاملے کے کئی ایک پہلو ہیں۔ اول، یہ جرم بہت تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس کے جغرافیائی حدود بھی پھیل رہے ہیں۔ دوم، قبائلی روایات لوگوں کو قتل غیرت پر آمادہ کرتی ہیں۔ سوم، کوئی مذہب ان کی اجازت یا حکم نہیں دیتا۔ چہارم، تعلیم عام کرنے اور خواتین کے حقوق پر زور دینے کو اس کا حل سمجھا جاتا ہے۔''[۱۰۰]

قتل غیرت، روک تھام کی تجاویز

اسلام معاشرے میں خاندان کی ساخت اور اہمیت، باہمی رشتے اور ان میں احترام کا عنصر، معاشرے میں غیرت کا عمومی تصور اور معاشرتی تنظیم میں باہمی تعلقات کا تصور، کردار اور تقاضے اہم عوامل ہیں اور ہمیں درج ذیل باتوں کو اہمیت دینی چاہیے۔

i) زندگی سب سے قیمتی متاع ہے۔ اسے چھین لینا کسی بھی طرح سے جائز نہیں ہے۔ صرف قانون کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ پورے اطمینان کے بعد کسی کی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرے۔ کسی فرد، ادارے، پنچائیت یا خاندان اور قبیلے کا یہ استحقاق ہرگز نہیں ہے۔

ii) قتل کوئی بھی ہو، اسلام مقتول کے ورثاء کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ قصاص لے سکتے ہیں۔ وہ معاف بھی کر سکتے ہیں، معاوضہ بھی طلب کر سکتے ہیں۔

iii) غیرت کے امور میں ان وجوہات کو دور کرنا ضروری ہے جو فرد یا خاندان کے لیے مسئلہ پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے خاندان کو فروغ دینا، اخلاقیات کے مسلمہ تقاضوں کو پورا کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔ تنہا عورت یا لڑکی کو ذمہ دار ٹھہرا کر قتل نہیں کیا جاسکتا۔

iv) صنف مخالف سے اختلاط کی ممانعت اسی لیے کی گئی ہے کیونکہ اس سے خرابی کے راستے کھلتے ہیں۔ تاہم یہ ممانعت قتل تک نوبت لے جانے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔

v) مسلم معاشروں میں قتل غیرت کی وجوہات میں عشق بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ مسلم معاشرے اپنے خاندانی، تہذیبی اور سماجی دائروں میں اسے ایک خارجی مداخلت کار سمجھتے ہیں۔ یہ مرد وزن کے باہمی تعلقات کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ زیادہ تر واقعات یہی سے جنم لیتے ہیں۔

vi) جائیداد، خاندانی نام ونمود، وراثت، کاروبار، قبیلہ، خاندان، جاگیرداری، جاہلیت، مفاد پرستی، اور دیگر محرکات قتل غیرت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ معاملات میں اسے ایک آسان راستہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

vii) جبری شادی، بے جوڑ شادی، نا پسندیدہ شادی اور جبر کے موجود وغیر حاضر ماحول میں قتل غیرت پروان چڑھتا

۹۹۔ ہندوستان ٹائمز، ۲۱ فروری ۲۰۰۴ء ۱۰۰۔ ایضاً

ہے۔ والدین، خاندان اور قبیلے کا کردار زیر بحث آنا چاہیے۔ رائے سازی کا راستہ بہتر ہے اور رائے کے قتل کا راستہ قتل غیرت کا بھی سبب بن سکتا ہے۔

Viii) عورت کو تشدد کا نشانہ بنانا کس طرح سے بھی درست نہیں ہے۔ مسلم معاشروں میں اس کا رواج ہرگز اسلامی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ix) غیرت کے جرائم میں پالیسی سازی کی ضرورت ہے۔ قانون کو اپنا عمل پورا کرنا چاہیے۔ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا کرائے۔

حکمرانوں کی بے حمیتی اور مغرب نوازی

ہمارے حکمرانوں کی حالت

امت مسلمہ کی بدقسمتی ہی ہے کہ اس پر آج ایسا حکمران طبقہ مسلط کیا گیا ہے جو ہر طرح کی دینی ملّی اور قومی غیرت وناموس سے بالکل عاری ہے۔ قرون اولی میں جب خلفائے راشدین جیسے مثالی اور قابل فخر شخصیات مسلمانوں کی قیادت کررہے تھے تو مسلمان پوری دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ آج امت مسلمہ کے حکمران امت مسلمہ کے تحفظ کے بجائے طاغوتی قوتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی سرزمین پر غیروں کی رضامندی اور وکالت کے لیے وہ کچھ کررہے ہیں جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ مغرب کی خوشنودی کے لیے اپنی اسلامی اقدار، روایات اور ثقافت کو پامال کررہے ہیں اور اپنے لوگوں کا استحصال کررہے ہیں۔

نبی کریمؐ نے فرمایا:

> ''جب تمہارے حکمران اچھے ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے (انفرادی اور اجتماعی) معاملات باہمی مشورے سے ہورہے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے تمہارے لیے بہتر ہے۔ (یعنی تمہارا زندہ رہنا مرنے سے بہتر ہے) اور جب تمہارے حکمران برے افراد ہوں اور تمہارا دولت مند طبقہ بخیل اور کنجوس ہو، تمہارے معاملات کی باگ ڈور تمہاری خواتین کے ہاتھوں میں ہو تو تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے (یعنی تمہارے لیے مرنا بہتر ہے۔)''۔[۱۰۱]

آج پورے عالم اسلام کی صورت حال یہ ہے کہ مقتدر طبقہ ہر قسم کی قومی اور ملی مسائل میں اپنی قوم کو سرے سے اعتماد میں نہیں لیتا۔ عالم اسلام کے حساس معالات میں اہل علم اور امت کا درد رکھنے والے طبقے کو مسلسل نظر انداز کیا جاتا ہے۔ آج عالم اسلام کے حکمران طبقے کی غلط اور منافی اسلام روش کا نتیجہ ہے کہ امت مسلمہ ہر طرف غیروں کے نرغے میں ہے اور ہر جگہ مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ کسی میں جرات نہیں کہ اس پر آواز اٹھائے۔ لیکن یہی حکمران اپنے لوگوں کے لیے شیر بنے پھرتے ہیں جب کہ طاغوتی قوتوں کے سامنے ایک گیدڑ سے بھی کہیں زیادہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

۱۰۱۔ سنن الترمذی، کتاب الفتن، ۵۲۹/٤ ح ۲۲٦٦

آج اگر ہم بحیثیت امت مسلمہ عروج دیکھنا چاہتے ہیں تو ان مغرب نواز حکمرانوں سے چھٹکارہ فرض بن چکا ہے۔ امت کے عروج میں یہی حکمران طبقہ اپنے مادی مفادات کے لیے رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

''ستمبر 2001ء کی ایک سیاہ تاریک رات جس کے پچھلے پہر نیو ورلڈ آرڈر کے نشے میں مست امریکی صدر کی ایک فون کال پاکستان جو کہ دنیائے اسلام کی پہلی ایٹمی قوت ہے، کے کمانڈر سربراہ نے ڈھیر ہو جانے کے فیصلے کے اس پر اتنی طویل رات مسلط کر دی کہ جس کی صبح کی روشنی ایک خواب بن گئی۔ اس ملک کے آمر صدر نے اپنی وردی کی طاقت کے بل بوتے پر اپنی آمریت کو دوام دینے کے لیے ایک ایسا فیصلہ کیا کہ جس کے نتائج ہماری آئندہ نسلیں ایک لمبے عرصے تک محسوس کرتی رہیں گی۔ دنیائے اسلام کی امیدوں مرکز پاکستان اپنے حکمرانوں کی بزدلی کی وجہ سے اسلام کے قلعے کی بجائے ان کے قتل وغارت کے لیے فرنٹ لائن سٹیٹ بن گیا اور بجائے اپنے اس کردار پر ندامت کے تفاخر کے ساتھ امریکی ایجنٹ کا کردار ادا کرنے لگ گیا''۔[۱۰۲]

وہ جنگ جس کی ابتداء کے لیے 9/11 جیسے واقعات کی ضرورت پیش آئی جس کو بنیاد بنا کر مسلمانان عالم کے خلاف 'کروسیڈ' کا اعلان کیا گیا۔ اگرچہ یہ واقعہ فی نفسہ آج بھی ایک سوالیہ نشان ہے دنیا بلکہ امریکہ کے تحقیقاتی ادارے آج تک کسی خاص گروہ کو حتمی طور پر موردالزام نہ ٹھہرا سکے بلکہ غیر جانبدار تحقیقاتی رپورٹس اور واقعاتی شہادتوں کے ڈانڈے تو خود امریکہ اور اس کی ''ناجائز بے بی'' کی طرف جاتے ہیں۔ لیکن صد حیف! کہ جو کام امریکی تحقیقی ادارے نہ کر سکے وہ الزام ہمارے حکمرانوں نے خود اپنے سر لے لیا۔ اور اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والوں نے اپنی وفاداری کو سچ کر دکھانے کے لیے اپنے ہی ملک کے سینکڑوں بے گناہ شہریوں کو ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کر دیا۔ دنیا محو حیرت تھی، آسمان نے یہ منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا کہ بغیر کسی عدالتی کاروائی کے اپنے ملک کے سپوتوں کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر دہشت گرد قرار دے کر بیچ دیا جائے جب کہ ان میں سے کئی کو خود امریکہ بے گناہ قرار دے کر رہا کر چکا ہے۔ بگرام جیل مسلمان پاکستانیوں کی چیخوں سے ہل گئی۔ اس وقت تو ہماری قومی غیرت کا جنازہ ہی نکال دیا گیا جب عفت مآب ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اس کے تین معصوم بچوں کے ہمراہ اغوا کیا گیا اور مختلف ایجنسیوں کی تحویل میں رکھنے کے بعد اسے بھی امریکی درندوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ یقیناً قوم کی اس بیٹی کے ساتھ جو سلوک بگرام جیل میں کیا گیا وہ سوچتی ہوگی کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دھنس جائے۔ اس کے بلند و بانگ چیخوں کے جواب میں اربوں مسلمانوں میں سے ایک بھی محمد بن قاسم نہ بن سکا جو اس کی پکار پر درد محسوس کر سکے۔ ہمارے حکمران تو گونگے اور بہرے تھے ہی قوم بھی اپنی بے خبری اور بے حسی سے باہر نہ نکل سکی۔ اللہ نے یہ کام مغرب کی ایک نومسلم جو خود بھی طالبان کی قید میں رہی اور اسلام کے حُسنِ سلوک سے متاثر ہو کر ''وون ریڈلے'' سے لیا اور اس نے دہائی دی اور ڈاکٹر عافیہ کو قیدی نمبر 650 کے نام سے شناخت کیا۔ امت کے ضمیر کو جھنجوڑا کہ تمہاری آبرو لٹ گئی، انسانی حقوق کے علمبرداروں سے عافیہ کا قصور پوچھا۔ جو اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ وہ ایک پردہ دار پڑھی لکھی 'بنیاد پرست' خاتون تھی۔ امریکہ میں رہ کر امریکی پالیسیوں سے اختلاف کرتی تھی قوم آج بھی یہ جاننے سے قاصر ہے کہ

۱۰۲۔ عائشہ گل، برطانوی اخبار ''دی مرر'' ۲۰۰۳ بحوالہ مرزا الیاس، قتل غیرت بین الاقوامی تناظر میں، ماہنامہ آئین مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۹۷

ڈاکٹر عافیہ صدیقی پر یہ ظلم کا پہاڑ کیوں توڑا گیا اس کے معصوم بچوں کا کیا گناہ ہے۔عافیہ کی حرمت اور اس کے معصوم بچوں کی معصومیت کا قاتل کون ہے اور کیوں ہے۔قوم کے ضمیر کو جھنجوڑنے کی ضرورت ہے۔[۱۰۳]

ڈاکٹر عافیہ صدیقی ایک پاکستانی نژاد امریکی خاتون ہیں جو مارچ 1972ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں ان کے والد محمد صدیقی پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے ان کا خاندان 70ء کی دہائی میں امریکہ منتقل ہوا۔ عافیہ صدیقی زمانہ طالب علمی سے ہی مذہبی ذہن کی مالک تھیں۔سکول اور یونیورسٹی میں سر پر سکارف رکھتی تھیں۔ ڈاکٹر عافیہ نے دنیا کے چند نامور ترین اداروں میں سے ایک ''MIT'' سے گریجویشن کی ''MIT'' میں وہ مسلمان طالب علموں کی تنظیم میں شامل رہیں گریجویشن کی تعلیم کے بعد ڈاکٹر عافیہ کی شادی امریکہ میں ہی پاکستانی ڈاکٹر امجد سے کرادی گئی۔ نائن الیون سے قبل ان کے دو بچے تھے۔ نائن الیون کے فوراً بعد انہیں القاعدہ کے نیٹ ورک کا حصہ قرار دیا گیا۔ نائن الیون کے اوائل میں امریکی انٹیلی جنس ادارے نے القاعدہ کے 7 رہنماؤں کو مطلوبہ قرار دیا جس میں ایک درمیان عمر کی خاتون کا بھی ذکر کیا گیا اس کے فوراً بعد ادارے نے ڈاکٹر عافیہ کی تصویر میڈیا پر ریلیز کردی۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعہ کے بعد جونہی القاعدہ کے خلاف پوری دنیا میں کریک ڈاؤن شروع ہوا تو 2003ء میں کراچی سے القاعدہ کے اہم رہنما خالد شیخ کی گرفتاری عمل میں آئی جن پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے نائن الیون کا سارا نقشہ ڈیزائن کیا تھا۔ چنانچہ دوران تفتیش انہوں نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا نام لیا تھا اس وقت عافیہ صدیقی کراچی میں مقیم تھیں اور شدید گھریلو مسائل کا شکار تھیں اسی عرصے میں ان کے خاوند نے انہیں طلاق دے دی جس کے صدمے سے ان کے والد دنیا سے رخصت ہوگئے۔انہی دنوں ڈاکٹر عافیہ کے ہاں ایک اور بچے کی پیدائش ہوئی لیکن نامساعد حالات کے باوجود ڈاکٹر عافیہ شدید پریشانی کے عالم میں اپنے تینوں بیٹوں کے ہمراہ اسلام آباد روانہ ہوئیں تو راستے میں انہیں تینوں بیٹوں کے ہمراہ اغوا کرکے نامعلوم مقام پر منتقل کردیا گیا اس وقت عافیہ صدیقی کے تینوں بیٹوں کی عمریں سات سال، پانچ سال اور چھ ماہ تھیں۔[۱۰۴]

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا اغوا، ہماری ملی غیرت کے لیے سوالیہ نشان

☆۔ ڈکٹر عافیہ کو کراچی سے اسلام آباد آتے ہوئے راستے سے کس نے اغوا کیا؟

☆۔ ڈاکٹر عافیہ کا اصل جرم کیا ہے جس کی وجہ سے انہیں حراست میں لیا گیا ہیروں کی فروخت یا اہلکاروں پر فائرنگ یا کوئی اور؟

☆۔ 17 جولائی 2008ء کو عافیہ صدیقی کے ہینڈ بیگ سے پکڑے جانے والے نقشہ جات خطرناک کیمیائی فارمولے اور دیگر جراثیمی تابکاری ترکیبیں کدھر ہیں؟

☆۔ پانچ سال کے طویل عرصہ کی حراست کے دوران ڈاکٹر عافیہ پر قانونی کاروائی عمل میں کیوں نہیں لائی گئی؟

☆۔ بحیثیت خاتون عافیہ صدیقی افغان پولیس اور امریکی اہلکاروں سے رائفل چھین کر کیسے فائرنگ کرسکتی ہیں اور جوابی

۱۰۳۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد (A/RES/55/68) ۳۱ جنوری ۲۰۰۱ء بحوالہ مرزا الیاس: قتل غیرت بین الاقوامی تناظر میں، ص ۶۶؛ ماہنامہ آئین مارچ ۲۰۰۷ء

۱۰۴۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی بہن ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے یہ معلومات بالمشافہ ملاقات میں دیں۔اکتوبر ۲۰۰۸ء

کاروائی میں وہ کیسے زخمی ہوئیں؟

☆۔ پاکستان میں امریکی سفیر اور اعلیٰ حکام 17 جولائی 2008ء سے قبل عافیہ صدیقی سے لاعلمی کا اظہار کیوں کر رہے ہیں؟

☆۔ اگر عافیہ صدیقی مجرم ہیں تو ان کے بچوں کا کیا قصور ہے؟

☆۔ امریکی حکام بار بار ان کے بچوں کی واپسی کے متضاد اعلانات کیوں کرتے رہے؟

☆۔ جولائی 2003ء سے جولائی 2008ء تک پانچ سال کا عرصہ عافیہ صدیقی کہاں رہیں؟ ۱۰۵

۱۰۵۔ مرزا الیاس، مسئلہ غیرت: ماہنامہ آئین، جنوری ۲۰۰۷ء: ص ۱۰۰-۱۰۳